KitaabPoint.Blogspot.com

حضرت جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ

اللہ کے برگزیدہ بندوں کا بصیرت افروز تذکرہ

پہلی قسط

خان آصف

تاریخ پیدائش:...... 604ھ
تاریخ وفات:...... 670ھ
مزار مبارک:...... قونیہ (ترکی)

جلال الدین نام، روم اور رومی تخلص، بلخ میں پیدا ہوئے اور ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم شیخ بہاء الدین سے حاصل کی جو اپنے وقت کے بڑے عالم تھے۔ مشہور بزرگ حضرت شمس تبریزؒ سے ملاقات ہوئی تو مولانا کی دنیا ہی بدل گئی۔ ایک درویش کی نگاہ کیمیا تاثیر نے ہوش وخرد کی دنیا کو زیروزبر کر دیا کہ مولانا جلال الدین رومیؒ بے اختیار پکار اٹھے:

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلام شمس تبریزی نہ شد

(مولوی اس وقت تک مولانا روم نہ بنا، جب تک کہ وہ شمس تبریزیؒ کا غلام نہ بن گیا)

مثنوی مولانا روم کو دنیا کے ادب عالیہ میں ایک منفرد مقام حاصل ہے مگر شاعری کی کسی کتاب کو اس قدر احترام کی نظروں سے نہیں دیکھا جاتا۔ اپنے وقت کی دونوں سپر پاورز (ایران اور روم) اہل اسلام کے ہاتھوں شکست سے دوچار ہو کر قصۂ پارینہ بن چکی تھیں اور ان کے مرثیہ خواں تک باقی نہیں رہے تھے۔ اللہ نے اپنے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہوا وعدہ پورا کر دیا تھا کہ اہل ایمان صرف آخرت ہی میں کامیاب وکامران نہیں ہوں گے بلکہ دنیا میں بھی انہیں اقتدار اعلیٰ بخشا جائے گا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے مسلمانوں کا عروج اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔ ساری دنیا کی دولت ان کے قدموں میں تھی اور بڑے بڑے تاج وتخت ان کی ٹھوکروں سے پامال ہو رہے تھے۔ کچھ لوگوں کو وہ زمانہ یاد آ رہا تھا جب ایران کی فتح کے بعد مال غنیمت کے انبار دیکھ کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ رو پڑے تھے اور سر دربار کسی شخص نے سوال کیا تھا۔

"امیر المومنین! انتہائی خوشی کے موقع پر آپ کی آنکھوں میں یہ آنسو؟"

جواب میں خلیفہ ثانی نے فرمایا تھا۔ "میں اس لئے روتا ہوں کہ جہاں دولت کے قدم آتے ہیں، وہاں ایمان سلامت نہیں رہتا۔ اللہ تمہیں مال وزر کے فتنے سے محفوظ رکھے۔"

اور پھر ایسا ہی ہوا تھا۔ دنیا کے سارے خزانوں کی کنجیاں مسلمانوں کے ہاتھوں میں تھیں۔ عظیم الشان محل تعمیر کئے جا رہے تھے مگر کاشانۂ دل ویران ہوتا جا رہا تھا۔ دیواروں میں قیمتی فانوس بھی آویزاں تھے مگر دماغوں کا اندھیرا بڑھتا جا رہا تھا۔ جس قوم کو اپنی نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا گیا تھا، آج وہی قوم کنیزوں کے خوبصورت جسموں سے اپنے حرم سجا رہی تھی۔

پھر ایک دن بغداد کی شاہراہوں پر ایک مجذوب چیختا پھر رہا تھا۔ "لوگو! خدا کی نافرمانیوں سے باز آ جاؤ۔ چنگ ورباب توڑ دو اور شراب کے ذخیرے نالیوں میں بہا دو، ورنہ قدرت کا پیمانۂ برداشت چھلکنے والا ہے۔ عذاب کے دن گنے جا چکے ہیں، بس کچھ گھڑیاں باقی ہیں، ابھی توبہ کا دروازہ کھلا ہے، سرکشی چھوڑ دو، نہیں تو تمہارے کاندھوں سے گردنوں کے بوجھ کم کر دیئے جائیں گے، بڑا خون بہے گا، بڑی رسوائی ہوگی۔"

ہر گزرتے ہوئے لمحے کے ساتھ مجذوب کی لے تیز ہوتی جا رہی تھی۔ شروع میں لوگ اسے پاگل سمجھ کر ایک دلچسپ تماشے سے لطف اندوز ہوتے رہے مگر وہ دیوانہ تو بڑے پتے کی باتیں کر رہا تھا۔ بڑے خوفناک راز فاش کر رہا تھا۔ آخر عشرت کدوں میں رہنے والوں کو اس وحشی کے نعرے گراں گزرنے لگے۔ مجذوب سے کہا گیا کہ وہ نعرہ زنی بند کر دے۔ اس کی بے ہنگم آوازوں سے شرفاء کے سکون میں خلل پڑتا ہے۔ وہ کس عذاب کی باتیں کرتا ہے؟ عذاب ہمیں چھو بھی نہیں سکتا کہ ہم اہل ایمان ہیں۔ کئی بار تنبیہ کی گئی لیکن مجذوب نے اپنا چلن نہیں بدلا۔ وہ پریشان بالوں اور بوسیدہ کپڑوں کے ساتھ ہر گلی کوچے میں چیختا پھر رہا تھا۔

"اے بے خبرو! سرخ آندھی آنے والی ہے۔ اس کے تیز جھونکوں میں تمہارے پتھروں کے مکان روئی کے تیز گالوں کی مانند اڑ جائیں گے۔ اب اس قہر سے تمہیں کوئی نہیں بچا سکتا۔ ہلاکت اور بربادی تمہارا مقدر ہو چکی ہے۔"

عیش وعشرت میں ڈوبے ہوئے لوگ موت کی خبریں سننے کے لیے تیار نہیں تھے۔ آخر معززین شہر نے مجذوب کی باتوں کو بدشگونی کی علامت قرار دے کر ایک سنگدلانہ حکم جاری کر دیا۔ اب وہ بے ضرر انسان جدھر جاتا تھا، لوگ اس پر غلاظت پھینکتے تھے۔ مجذوب ان کی اس حرکت پر قہقہے لگاتا تھا۔

"میرے جسم پر گندگی کیا اچھالتے ہو۔ اپنے مسخ چہروں اور غلیظ لباسوں کی طرف دیکھو۔ عنقریب ان پر سیاہی مل جانے والی ہے اور کچھ دن خدا کے نظام کا مذاق اڑا لو۔ پھر وقت تمہارا اس طرح مذاق اڑائے گا کہ تم موت کو پکارو گے مگر موت بھی تمہیں قبول نہیں کرے گی۔"

اس کے بعد لوگ تشدد پر اتر آئے۔ مجذوب جہاں سے گزرتا، جوان اور بچے اس پر پتھر برساتے تھے۔ لاغر اور نحیف جسم خون میں نہا گیا۔ بدمست انسانوں کے قہقہے بلند ہوئے۔ مجذوب بغداد کی ایک آباد شاہراہ پر کھڑا لڑکھڑا رہا تھا۔ اس خونی رنگ تماشے کو دیکھنے کے لیے سینکڑوں انسان جمع ہو گئے تھے۔ مجذوب نے ہجوم کی طرف دیکھا اور بڑے اداس لہجے میں بولا۔ "کیا تم میں سے ایک شخص بھی ایسا نہیں ہے جو ان سنگ دلوں کو منع کرے اور میری طرف آنے والے پتھروں کو روک دے؟"

مجذوب کی فریاد سن کر لوگوں کے قہقہے کچھ اور بلند ہو گئے۔ کسی نے سنگ باری کرنے والوں کو منع نہیں کیا۔ پورے مجمع کا ضمیر مر چکا تھا۔

"عذاب لکھا جا چکا۔" مجذوب آسمان کی طرف منہ اٹھا کر چیخا۔ "لکھنے والے نے لوح محفوظ پر لکھ دیا۔ آگ، خون، موت، ذلت اور بربادی۔" پھر مجذوب نے بہتے ہوئے خون کو اپنے چہرے پر مل لیا۔ چند پتھر اور برسے۔ مجذوب زمین پر گر پڑا۔

"مسخرا آسمان کی خبریں دیتا ہے۔" لوگ دیوانہ وار ہنس رہے تھے۔ "یہ خبر نہیں کہ خود اپنا کیا حال ہونے والا ہے؟" ایک مجبور انسان پر مشق ستم کرنے کے بعد ہجوم منتشر ہو گیا۔ مجذوب کے جسم سے خون بہہ بہہ کر زمین پر جمتا رہا۔

آخر بغداد کے باہوش شہریوں نے ایک دیوانے سے نجات حاصل کر لی۔ اس دن کے بعد پھر کسی نے مجذوب کو نہیں دیکھا۔ وہ اپنا کام ختم کر کے بہت دور جا چکا تھا۔

شہر کی فضائیں نغمہ بار تھیں۔ موسیقی کی پرشور آوازوں نے گناہ کے خوابیدہ جذبوں کو بیدار کر دیا تھا۔ سیم تن بدنوں کے رقص نے جذبات کی دنیا میں، وہ طوفان اٹھائے تھے کہ اہل اقتدار کی بینائی زائل ہو گئی تھی اور امراء اندھے ہو گئے تھے۔ سرحدی محافظوں کے بازو شل ہو گئے تھے اور تلواریں شاخ گل کی مانند لہرا رہی تھیں۔

اور پھر اہل بغداد کو قہر خداوندی نے آ پکڑا۔ ہلاکو خان رات کے اندھیروں میں شمشیر بکف آگے بڑھ رہا تھا اور عظیم الشان اسلامی سلطنت کے نگہبان ہاتھوں میں چنگ ورباب لئے ہوئے جھوم رہے تھے۔ پھر ہر طرف فتنہ وفساد کی آگ بھڑک اٹھی۔ سنگ سرخ سے بنے ہوئے سربفلک محلات میں آگ لگی ہوئی تھی اور علم وحکمت کے ذخیرے سوکھی لکڑیوں کی طرح جل رہے تھے۔

شاندار تہذیب وتمدن کے تمام آثار وحشیوں کے نیزوں کی زد پر تھے۔ ہلاکو خان کے سامنے عالمانہ تقریریں کرنے والے بے شمار تھے مگر وہ گروہ تلوار کے سوا کوئی زبان نہیں سمجھتا تھا۔ اس فتنۂ عظیم کو صرف جرأت وشجاعت کے ہتھیاروں سے روکا جا سکتا تھا مگر مسلمان، بہت پہلے ان ہتھیاروں کو زنگ آلود سمجھ کر اپنے اسلحہ خانوں میں دفن کر چکے تھے، اس لئے چنگیز خان کا سفاک پوتا مسلمانوں کے سروں کے مینار بنا رہا تھا اور اہل بغداد ایک درندے سے تہذیب وشائستگی کی زبان میں رحم وکرم کی بھیک مانگ رہے تھے پھر یوں ہوا:

آگ اس گھر کو لگی ایسی کہ جو تھا جل گیا

اب ہلاکو خان کا رخ نیشاپور کی طرف تھا۔ یہاں بھی موت کی سرخ آندھی نے تباہی مچا دی۔ علم وحکمت کے کیسے کیسے تناور درخت جڑوں سے اکھڑ گئے۔ جن لوگوں نے کچھ دن پہلے بغداد کی شاہراہوں پر ایک مجذوب کو چیختے ہوئے دیکھا تھا، آج انہیں اس پاگل انسان کی باتیں یاد آ رہی تھیں مگر وقت گزر چکا تھا۔ اچانک خبر آئی کہ تاتاریوں نے حضرت شیخ فریدالدین عطارؒ جیسے بزرگ کو بھی شہید کر دیا۔ معرفت کا یہ مینار کیا گرا کہ گھروں میں سہمے ہوئے مسلمان موت کے خوف سے کانپنے لگے۔ اب ان کے درمیان سے وہ شخص بھی اٹھ گیا تھا، جس کی دعائیں آسمان پر سنی جاتی تھیں۔

دوسری جاں گداز خبر آئی کہ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰؒ نے بھی جام شہادت پی لیا۔ اس طرح کہ آپ نے خانقاہ سے باہر آ کر آخری سانس تک ہلاکو کی فوج سے جنگ کی اور مرتے وقت اپنی قوم کو ایک ہی پیغام دیا کہ مکانوں کو چھوڑ کر میدان کارزار میں نکل آؤ۔

حضرت نجم الدین کبریٰؒ کی شہادت نے مسلمانوں کی امید کی آخری کرن بھی بجھا دی تھی۔ معرفت کے اس بلند ترین مینار کے زمین پر گرتے ہی زلزلہ آ گیا تھا اور ظلم وستم کی رات مزید طویل ہو گئی تھی۔

خون کا سیلاب راستہ بناتا ہوا مسلمانوں کے سرسبز وشاداب علاقوں سے گزر رہا تھا۔ اب ہلاکو خان کے لہو آشام لشکر کا رخ روم کے شہر قونیہ کی جانب تھا۔ اس لشکر کی سالاری بیچو خان کو سونپی گئی تھی۔ بیچو خان نے اپنی فوجیں شہر کے چاروں طرف پھیلا دیں اور قونیہ کا مکمل محاصرہ کر لیا۔ چند روز تک تو اہل شہر کو خوف ودہشت کے سوا کسی تکلیف کا احساس نہیں ہوا مگر جب محاصرے نے طول پکڑا تو قونیہ کے باشندوں کا سامان رسد بند ہو گیا جس سے ہر طرف بدحواسی پھیل گئی۔ اہل شہر میں مشورے ہونے لگے۔

کسی نے کہا۔ "بیچو خان سے مصالحت کی بات کی جائے اور اس کے مطالبات مان کر اس عذاب سے نجات حاصل کی جائے۔"

فوراً ہی دوسرے شخص نے جواب دیا۔ "ہلاکو خان مسلمانوں کے خون کا پیاسا ہے۔ وہ علی الاعلان خود کو خدا کا قہر کہتا ہے۔ اس کے نزدیک امن وعافیت جیسے الفاظ کوئی مفہوم نہیں رکھتے۔"

"پھر کیا ہوگا؟" ہر زبان پر ایک ہی سوال تھا۔

آخر جب تمام ذہن سوچتے سوچتے مفلوج ہو گئے تو امیروں کی محفل میں ایک پریشان حال شخص داخل ہوا۔ اس مفلس انسان کو دیکھ کر دولت مندوں کی پیشانیوں پر بل پڑ گئے مگر وہ لوگوں کے احساسات سے بے نیاز اندر چلا آیا اور بدمستوں کے درمیان کھڑے ہو کر بارعب لہجے میں بولا۔ "لوگو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اپنے ایک ہم مذہب کو دیکھ کر بدحواس ہو گئے ہو۔ میں تم سے بھیک مانگنے نہیں آیا ہوں کہ مجھے دیکھ کر تمہارے چہروں پر نفرت برسنے لگی ہے۔ اسی تنگ دلی اور بے ضمیری نے تمہیں یہ خوفناک دن دکھائے ہیں۔ تم اپنے عشرت کدوں میں شراب سرخ سے دل بہلاتے رہے اور مخلوق خدا اپنے خون میں نہاتی رہی۔ اب دولت کے یہ ذخیرے لے کر کہاں جاؤ گے کہ زمین تم پر تنگ ہو چکی ہے اور آسمان بہت دور ہے۔" یہ کہہ کر وہ اجنبی کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گیا۔

پوری محفل پر سکوت مرگ طاری تھا۔ ہر شخص کے چہرے سے ظاہر ہوتا تھا جیسے وہ نزع کی حالت میں گرفتار ہو۔

"میں تمہیں صرف یہ بتانے کے لیے آیا ہوں کہ اس قہر آسمانی کا بس ایک ہی علاج ہے۔" اجنبی نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہا۔

"ہاں۔ ہاں! ہمیں بتاؤ۔" تمام امراء یک زبان چیخے۔ "ہم اپنے سیم وزر کے سارے انبار لٹا دیں گے۔ خدا کے لیے ہمیں اس اذیت ناک صورت حال سے نجات دلاؤ۔ ہم گزرنے والے ہر لمحے کے ساتھ مرتے ہیں اور پھر دوسری ساعت جی اٹھتے ہیں۔ ہلاکو خان کی دہشت ہمیں وقت سے پہلے مار ڈالے گی۔" سب کے سب گداگروں کی طرح چیخ رہے تھے۔

"اس درویش کے پاس جاؤ جو تمہارے عشرت کدوں پر تھوک کر اپنی خانقاہ میں گوشہ نشین ہو گیا ہے۔" اجنبی نے نہایت تلخ لہجے میں کہا۔ اس کے ایک ایک لفظ سے اہل محفل کے لیے شدید نفرت کا اظہار ہو رہا تھا۔ "وہ تمہارے سیم وزر کے ذخیروں کا محتاج نہیں، وہ خود شہنشاہ ہے۔ ایسا شہنشاہ جس کے سامنے ہلاکو کے سپاہی بھی حقیر کیڑوں سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے۔ اس کے پاس جاؤ اگر وہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دے تو ممکن ہے کہ تمہارے سروں پر آگ کے شعلوں کے بجائے ابر رحمت برس جائے۔ اللہ اس کی بہت سنتا ہے۔"

اجنبی کی باتیں سن کر اہل مجلس بدحواسی کے عالم میں کھڑے ہو گئے۔ وہ اسی وقت درویش کے آستانے پر حاضر ہونا چاہتے تھے۔

"سنو!" اجنبی نے پکار کر کہا۔ "وہ آسانی سے نہیں مانے گا۔ اس کے دروازے پر بھکاریوں کی طرح جانا، وہ تمہاری قیمتی پوشاکوں اور زرنگار قباؤں سے نفرت کرتا ہے۔"

یہ کہہ کر اجنبی محفل سے نکل گیا۔ تھوڑی دور تک لوگوں نے اسے جاتے دیکھا اور پھر وہ اچانک نظروں سے غائب ہو گیا۔ تمام لوگ اس بات پر حیران تھے کہ وہ کون تھا؟ کیوں آیا تھا اور یکایک کہاں غائب ہو گیا؟ یہ ایک بڑا اہم واقعہ تھا مگر لوگوں کے پاس سوچنے کے لیے وقت نہیں تھا۔ وہ انسان ہی سہی لیکن فرشتۂ رحمت بن کر آیا تھا۔ اس نے آگ اور خون کے درمیان گھرے ہوئے لوگوں کو سلامتی کی راہ دکھائی تھی۔

اب قونیہ کے معززین اور شرفاء کی جماعت اس درویش کے آستانے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ فاصلے ختم ہوئے۔ اجازت طلب کی گئی۔ درویش فطرتاً مہمان نواز تھا۔ اس نے اپنے ہم وطنوں کو اندر بلا لیا۔

لوگ کانپتے قدموں سے درویش کے روبرو پہنچے۔ ان کی آنکھوں کی پتلیاں لرز رہی تھیں اور چہرے موت کے خوف سے زرد تھے۔ بعض نے بڑی ہمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا مگر اس طرح کہ ان کی آواز لرز رہی تھی۔

"میرے پاس کیوں آئے ہو؟" درویش نے بیزاری کے لہجے میں کہا۔ "اس کائنات میں میری کیا حیثیت ہے؟ تم اس کی بارگاہ میں کیوں نہیں گئے جو لوح محفوظ کا مالک ہے جس کے ایک اشارے پر تقدیریں بنتی اور بگڑتی ہیں۔"

"شیخ! وہ ہماری نہیں سنتا۔" قونیہ کے امراء نے رقت آمیز لہجے میں کہا۔ "ہم بہت گناہ گار ہیں۔ ہمارے لئے در توبہ بند ہو چکا ہے۔"

"یہ غلط ہے۔" اگرچہ درویش کے ہونٹوں پر ہر وقت ایک دلنواز تبسم نمایاں رہتا تھا مگر وہ قونیہ کے امراء کی بات سن کر یکایک غضب ناک ہو گیا۔ "کوئی نہیں جانتا کہ در توبہ کب بند ہوگا؟ جاؤ اسی کو پکارو! وہی اپنے بندوں کی سنتا ہے۔ اگر وہ نہیں سنے گا تو پھر اس کائنات میں کون سننے والا ہے!"

امراء نے محسوس کر لیا کہ درویش اپنا دامن بچا رہا ہے۔ اجنبی نے انہیں پہلے ہی خبردار کر دیا تھا کہ درویش آسانی سے ان کی بات نہیں مانے گا۔ اس لئے وہ مزید گریہ وزاری کرنے لگے۔ "آسمان سے ہماری فریادوں کا جواب نہیں آتا۔ شیخ! ہم تیرے آستانے سے واپس نہیں جائیں گے۔ اگر موت ہمارا مقدر بن چکی ہے تو پھر ہم تیرے قدموں میں مر جانا پسند کریں گے۔"

"تم نے دیکھا کہ حضرت شیخ فریدالدین عطارؒ شہید کر دیئے گئے۔ حضرت نجم الدین کبریٰؒ اپنے خون میں نہا کر خالق حقیقی سے جا ملے۔ میں ان کے قدموں کی خاک بھی نہیں ہوں۔ پھر تمہارے لئے کس طرح دعا کروں؟ کیسے کیسے پارسا اس فتنۂ عظیم میں زندگی سے محروم ہو گئے۔ جب ان کی دعائیں قہر آسمانی کو نہ روک سکیں تو پھر میں کس شمار میں ہوں؟" درویش بڑے دردناک لہجے میں اپنی عاجزی کا اظہار کر رہا تھا مگر لوگ اس کی بات سننے کے لئے تیار نہیں تھے۔ انہیں صرف اپنے جان ومال کی فکر تھی۔ وہ درویش کے سامنے بہت دیر تک گریہ وزاری کرتے رہے۔

آخر درویش مجبور ہو گیا۔ اس سے مخلوق خدا کی چیخیں نہیں سنی جاتی تھیں۔ وہ اٹھا اور اپنا مصلیٰ لے کر خانقاہ سے نکل گیا۔ لوگوں نے بڑی حیرت سے درویش کے طرز عمل کو دیکھا۔ وہاں موجود ہر شخص یہی سمجھ رہا تھا کہ درویش ان کے شور وغوغا سے تنگ آ کر خانقاہ کو چھوڑ کر چلا گیا ہے۔ پورے مجمع پر کچھ دیر کے لیے سکوت مرگ سا طاری رہا۔ پھر تمام لوگ خانقاہ سے باہر نکل آئے اور درویش کو دیکھنے لگے جو ساری دنیا سے بے نیاز تیز تیز قدموں کے ساتھ ایک سمت چلا جا رہا تھا۔

قونیہ کے تمام شرفاء اور امراء درویش کو خاموشی سے دیکھتے رہے مگر کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اس کے پیچھے جاتے بس درویش کے چند خادم بے قرار ہو کر اپنے مخدوم کے پیچھے بھاگے۔ ان کے لئے اس مرد قلندر کا یہ انداز ناقابل فہم تھا۔ خادم درویش کے قریب پہنچ گئے مگر اس سے یہ پوچھنے کی جرأت نہ کر سکے کہ وہ کہاں جا رہا ہے؟ درویش جس طرف سے بھی گزرتا تھا، کچھ لوگ اس کے ہمراہ ہو جاتے...... مگر وہ نظر اٹھا کر بھی ان کی طرف نہ دیکھتا۔

اب وہ شہر کی حدود سے باہر نکل آیا تھا۔ اس کے ہمراہ چلنے والے خوف سے لرزنے لگے۔ سامنے ہلاکو کے سپہ سالار بیچو خان کا لشکر نظر آ رہا تھا۔

درویش یکایک مڑا اور ان لوگوں سے سخت لہجے میں مخاطب ہوا۔ "تم اپنے گھروں کو واپس جاؤ۔ کیا یہ کوئی تماشا ہو رہا ہے؟ اس قہر آسمانی سے خدا کی پناہ مانگو۔" یہ کہہ کر درویش آگے بڑھا۔ اس کا انجانا سفر دوبارہ شروع ہو گیا تھا۔

ساتھ جانے والے اسی مقام پر رک گئے جہاں اس نے ٹھہر جانے کا حکم دیا تھا۔ درویش آگے بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ منگول لشکر کے قریب تر ہوتا چلا گیا۔ تمام اہل شہر اور خادم جو اس وقت وہاں موجود تھے، خوف ودہشت سے کانپنے لگے۔ درویش کا ناتواں جسم منگول تیراندازوں کے نشانے پر تھا۔ تاتاریوں کے ترکش سے نکلا ہوا ایک تیر بھی درویش کا کام تمام کر سکتا تھا مگر وہ مرد خدا آج ہر شے سے بے نیاز تھا۔ اس کے قدم تیزی سے اٹھ رہے تھے۔ پھر وہ قونیہ کے ان باشندوں کی نظروں سے اوجھل ہو گیا جو اسے بیچو خان کے لشکر کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔

فاصلے مزید کم ہو گئے تھے۔ درویش ایک بلند ٹیلے پر چڑھنے لگا۔ اس ٹیلے کے دوسری طرف تاتاریوں کا لشکر خیمہ زن تھا۔ درویش چوٹی تک پہنچا۔ پھر اس نے اپنے اطراف پر نظر ڈالی۔ دور تک منگول سپاہی بکھرے ہوئے تھے اور نگاہوں کے سامنے سپہ سالار بیچو خان کا خیمہ تھا جو دوسرے خیموں سے زیادہ وسیع اور نمایاں نظر آ رہا تھا۔

درویش نے ٹیلے پر مصلیٰ بچھا دیا۔ ایک لمحے کے لیے آسمان کی طرف دیکھا اور نماز کی نیت باندھ لی۔ ابھی چند ساعتیں بھی نہیں گزری تھیں کہ کسی تاتاری کی نظر درویش پر پڑی۔ اس نے اپنے دوسرے ساتھی سے کہا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے سینکڑوں منگول سپاہی ٹیلے کی طرف متوجہ ہو گئے جہاں ایک مسلمان اپنے اللہ کی عبادت میں مشغول تھا۔ دشمن فوجی اس کی عبادت کا مفہوم تو نہیں سمجھ سکے مگر انہیں یہ خیال ضرور ہوا کہ کوئی مسلمان جاسوس ہے جو بیچو خان کے لشکر کی مخبری کرنے آیا ہے۔

اس خیال کے پیدا ہوتے ہی منگول سپاہیوں میں ہلچل مچ گئی۔ اگرچہ درویش تنہا تھا لیکن جنگی اصول کے مطابق اس کی موجودگی نہایت خطرناک تھی۔ سپاہیوں نے اپنے کاندھوں پر لٹکتی ہوئی کمانیں اتار لیں۔ برق رفتاری کے ساتھ تیر چڑھائے۔ پوری قوت کا مظاہرہ کیا مگر کوئی ایک کمان بھی نہ کھنچ سکی۔

تنگ آ کر کچھ سپاہیوں نے اپنے گھوڑوں کو استعمال کرنا چاہا تا کہ ٹیلے پر پہنچ کر مسلمان درویش کو تلواروں سے قتل کر ڈالیں لیکن اس وقت منگول سپاہیوں کی بے چارگی قابل دید تھی جب ان کے گھوڑے اپنی جگہ سے جنبش تک نہ کر سکے۔ تاتاریوں نے بے زبان جانوروں کو پیٹنا شروع کر دیا۔ فضا میں گھوڑوں کی چیخیں بلند ہوتی رہیں مگر انہیں ایک قدم بھی آگے نہ بڑھایا جا سکا۔

بڑی عجیب صورت حال تھی۔ سارے لشکر میں ایک ہنگامہ سا برپا ہو گیا۔ سپاہیوں کا شور سن کر بیچو خان بھی اپنے خیمے سے باہر نکل آیا۔ سپاہیوں سے اس ہنگامے کا سبب دریافت کیا تو بے شمار انگلیاں ٹیلے کی طرف اٹھ گئیں جہاں درویش اب بھی اپنے خدا کے آگے ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔

"یہ کیسی دیوانگی کی باتیں ہیں؟" بیچو خان نے چیخ کر کہا۔ "کوئی بھی ذی ہوش انسان تمہاری احمقانہ گفتگو پر یقین نہیں کر سکتا۔" یہ کہہ کر بیچو خان نے ایک سپاہی سے تیر کمان طلب کی۔ وہ ایک ماہر تیرانداز تھا۔ ہلاکو کے پورے لشکر میں اس کی یہ صفت مشہور تھی۔

تمام سپاہی حیران اور پریشان بیچو خان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ان کی سانسیں رکی ہوئی تھیں اور ذہنوں میں ایک ہی خیال گردش کر رہا تھا کہ اگر منگول سپہ سالار مسلمان جاسوس کو ہلاک کرنے میں کامیاب ہو گیا تو پھر قیامت ٹوٹ پڑے گی۔ وہ اس کی وحشیانہ عادتوں سے واقف تھے۔

آخر بیچو خان نے اپنی کمان کھینچی اور ایک قہر آلود نظر ان سپاہیوں پر ڈالی جن کا یہ دعویٰ تھا کہ وہ اپنی کمانیں کھینچنے سے عاجز رہے تھے۔ سپاہیوں کی جان پر بن آئی تھی اور اب انہیں اپنی موت صاف نظر آنے لگی تھی۔ بیچو خان نے پوری طاقت سے کمان کھینچی۔ پھر فضا میں ایک مخصوص آواز ابھری اور ترکش سے تیر چھوٹ گیا۔ منگول سپاہی پتھرائی ہوئی آنکھوں سے تیر کو دیکھ رہے تھے۔ چند ثانیوں کی بات تھی۔ تاتاریوں کا خیال تھا کہ دوسرے ہی لمحے مسلمان جاسوس کی لاش ٹیلے کی بلندی سے زمین کی پستیوں میں چلی جائے گی۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔

بیچو خان کا چھوڑا ہوا تیر درویش کے قریب سے نکل گیا۔ منگول سپہ سالار کا چہرہ احساس ندامت سے زرد ہو گیا۔ نشانہ چوک جانے پر وہ ناقابل بیان اذیت وکرب میں مبتلا تھا۔ شدید غضب کے عالم میں اس نے ترکش پر دوسرا تیر چڑھایا۔ اس بار کمان کو یہاں تک کھینچا کہ اس کے ٹوٹ جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ نشانہ درست ہوتے ہی بیچو خان نے تیر چھوڑ دیا مگر اس مرتبہ بھی وہی ہوا۔ تیر سیدھا نشانے پر تھا مگر درویش کے قریب پہنچتے ہی کٹ کر دوسری طرف نکل گیا۔

اس کے بعد سپہ سالار بیچو خان اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھا۔ پھر اس نے مسلمان جاسوس پر تیروں کی بارش کر دی لیکن ایک تیر بھی درویش کے جسم کو نہ چھو سکا۔ انتہائی طیش کے عالم میں بیچو خان نے کمان اٹھا کر سپاہی کے سر پر دے ماری اور تیزی سے اپنے خیمے میں داخل ہو گیا۔ تلوار نکالی اور دوبارہ خیمے سے باہر آیا۔ وہ مسلمان جاسوس کو اپنے ہاتھ سے تہہ تیغ کرنا چاہتا تھا۔ بیچو خان غضب ناک حالت میں آگے بڑھا مگر بمشکل تمام تھوڑی ہی دور جا سکا۔ اچانک منگول سپہ سالار کو محسوس ہوا جیسے زمین نے اس کے پاؤں پکڑ لئے ہوں۔ وہ بہت دیر تک ہوا میں اپنی شمشیر لہراتا رہا۔ اس کے ہاتھ مسلسل گردش کر رہے تھے مگر ٹانگیں پتھر کی ہو کر رہ گئی تھیں۔

آخر وہ اپنی بے بسی پر رو پڑا۔ اس نے گھبرا کر سپاہیوں کی طرف دیکھا۔ سب کے سب سر جھکائے کھڑے تھے۔

"اے جادوگر! ہمیں معاف کر دے۔" اچانک بیچو خان کی تیز آواز فضا میں گونجی۔ "ہم قونیہ کا محاصرہ اٹھا کر واپس جا رہے ہیں۔ اے عظیم ساحر! ہمیں جانے دے کہ ہم غلطی سے تیرے علاقے میں آ گئے تھے۔ ہماری بھول کو درگزر کر۔ بے شک تو اس مملکت کا شہنشاہ ہے۔ ہمیں اجازت دے کہ ہم اپنے گھروں کو واپس لوٹ جائیں۔" منگول سپہ سالار بیچو خان اس طرح فریاد کر رہا تھا جیسے واقعتاً کسی طاقتور شہنشاہ سے رحم کی بھیک مانگ رہا ہو۔

ابھی بیچو خان کے الفاظ کی گونج باقی تھی کہ یکایک اس کے پیروں میں خون کی گردش بحال ہو گئی۔ منگول سپہ سالار نے اپنی تلوار نیچے کر لی اور سر جھکائے ہوئے خیمے میں واپس آ گیا۔ کچھ دیر پہلے جس شخص کو جاسوس کے نام سے پکارا جا رہا تھا، اب وہی بے اسلحہ اور نہتا انسان فاتح ٹھہرا تھا اور بیچو خان جیسا طاقتور دشمن ناکام ونامراد لوٹ رہا تھا۔

جب منگول سپاہی قونیہ کی حدود سے باہر نکل رہے تھے، اس وقت بیچو خان کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ وہ اپنے فوجیوں سے کہہ رہا تھا۔ "گھوڑوں کی رفتار تیز کر دو۔ یہ پورا علاقہ جادو کے زیر اثر ہے۔ اس بوڑھے ساحر نے ہر چیز کو باندھ کر رکھ دیا ہے۔" ان الفاظ کے ادا ہوتے ہی گھوڑوں کی پشت پر تازیانے برسنے لگے۔ فضا گھوڑوں کی چیخوں سے گونجنے لگی۔ راستوں سے گرد وغبار اٹھا اور پھر فتنۂ ہلاکو کا نقیب کسی نامعلوم منزل کی طرف بڑھ گیا۔

شہر قونیہ کے باشندے بہت خوش تھے۔ ایک درویش کی دعاؤں کے سبب ان کے سروں سے عذاب آسمانی ٹل گیا تھا۔ درویش اپنی خانقاہ کی طرف آیا تو انسانی ہجوم نے اسے گھیر لیا۔ لوگ اپنی عقیدت کا اظہار کرنے کے لیے اس کے ہاتھوں کو بوسہ دینا چاہتے تھے مگر وہ ان تمام رسموں سے بیزار تھا۔

اس نے انتہائی تلخ لہجے میں لوگوں کو مخاطب کیا۔ "اگر آج نافرمانوں کی جماعت قہر خداوندی سے بچ گئی تو کل خیر نہیں۔ اس سے پہلے کہ دردناک عذاب تمہیں آ پکڑے، اپنے گناہوں سے توبہ کر لو۔ بے خبروں کے لیے وقت کا ہر لمحہ رہزن ہے۔ اپنے ایمانوں کی حفاظت کرو ورنہ وقت کے بے رحم قزاق تمہارا سب سے قیمتی سرمایہ لوٹ کر لے جائیں گے۔" یہ کہہ کر درویش خانقاہ میں چلا گیا اور اندر سے دروازہ بند کر لیا۔

مریدوں اور خدمت گاروں نے سنا۔ وہ اپنے رب کے حضور ہچکیوں سے رو رہا تھا۔ "اے عزیز وجلیل! تو نے دنیا کے سامنے میری شرم رکھ لی ورنہ یہ گناہ گار تو رسوا ہو چلا تھا۔ اگر میں اپنی جان بھی نذر کر دوں تو تیرے اس احسان کا شکر ادا نہیں ہو سکتا۔"

جن کی دعاؤں کے سبب شہر قونیہ فتنۂ ہلاکو سے محفوظ رہا، وہ درویش مولانا جلال الدین رومیؒ تھے۔

☆......☆......☆

مولانا رومؒ کا خاندانی نام محمد تھا۔ جلال الدین لقب اور عرفیت مولائے روم۔ آپ 604ھ میں بلخ کے مقام پر پیدا ہوئے۔ مولانا رومؒ کا سلسلۂ نسب خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک براہ راست پہنچتا ہے۔ مولانا رومؒ کے پردادا حضرت حسین بلخیؒ بہت بڑے صوفی اور صاحب کمال بزرگ تھے۔ امرائے وقت ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ یہاں تک کہ خوارزم شاہ جیسے باجبروت حکمراں نے اپنی بیٹی کی شادی مولانا رومؒ کے دادا سے کر دی تھی۔ علم وفضل کے ساتھ اس خاندان کو دنیاوی عزت وتوقیر بھی حاصل تھی۔

مولانا جلال الدین رومیؒ کے والد کا نام شیخ بہاء الدین تھا۔ ان کے مریدوں میں سید برہان الدین ایک نامور عالم تھے۔ اس لیے مولانا رومؒ کی تربیت کی ذمہ داری سید برہان الدین کے سپرد کی گئی۔ مولانا روم نے اکثر ظاہری علوم ان ہی بزرگ سے حاصل کئے۔

تقریباً انیس سال کی عمر میں مولانا رومؒ اپنے والد محترم کے ساتھ قونیہ تشریف لے آئے۔ کچھ دن بعد آپ سایۂ پدری سے محروم ہو گئے۔ شفیق ومہربان باپ سے دائمی جدائی ایک بڑا جانگداز سانحہ تھا مگر اللہ نے مولانا رومؒ کو صبر وضبط کا حوصلہ عطا فرمایا۔ آپ نے اس غم سے نجات پانے کے لیے خود کو کتابوں میں گم کر دیا۔

پھر 629ھ میں جب مولانا رومؒ کی عمر پچیس سال تھی، آپ نے مزید تحصیل علم کے لیے شام کا رخ کیا۔ یہاں آپ سات سال تک مقیم رہے اور مسلسل اپنے علم میں اضافہ کرتے رہے۔ پھر قونیہ واپس آ گئے۔ ان ہی دنوں آپ کے استاد معظم سید برہان الدین بھی تشریف لے آئے۔

پھر مولانا رومؒ کا امتحان لیا گیا۔ جب سید صاحب کو یقین ہو گیا کہ ان کا شاگرد ظاہری علوم کی تکمیل کر چکا ہے تو ایک دن فرمایا۔ "مخدوم زادے! اب وقت آ گیا ہے کہ میں تمہارے والد کی امانت تمہیں لوٹا دوں۔" اس کے بعد سید برہان الدینؒ نے آپ کو اپنا مرید کیا اور تقریباً نو سال تک روحانی تعلیم دیتے رہے۔

سید برہان الدینؒ ایک باہوش بزرگ اور بنیادی طور پر ایک عالم وفاضل شخص تھے۔ اس لئے طویل تربیت کے بعد بھی مولانا رومؒ کی زندگی پر عقل کا رنگ غالب رہا۔ دراصل سید صاحب بھی یہی چاہتے تھے اور وہ اپنی کوششوں میں کامیاب بھی رہے تھے۔

مولانا جلال الدین رومیؒ فطری طور پر ذہین ترین شخص تھے۔ والد محترم کی تعلیم وتربیت اور پھر سید برہان الدینؒ کی خصوصی توجہ نے مولانا کو درجۂ کمال تک پہنچا دیا تھا۔ اب آپ کا یہ عالم تھا کہ کسی علمی تقریب میں خطاب کرنے کھڑے ہوتے تو لوگ پتھر کی طرح ساکت وجامد ہو جاتے اور مولانا کی تقریر اس طرح سنتے کہ انہیں اپنے گرد وپیش کی بھی خبر نہ رہتی۔

یہ تاریخ انسان کا عجیب پہلو ہے کہ ہر دور میں حاسد اور تنگ نظر لوگوں کی کثرت پائی جاتی ہے۔ اگر عام انسانی طبقوں میں ایسے لوگ پائے جائیں تو یہ عمل زیادہ خطرناک نہیں ہوتا مگر جب علماء کے دل ودماغ بھی اس بیماری کا شکار ہو جائیں تو پھر زمین پر بے شمار فتنے سر اٹھانے لگتے ہیں۔

جب مولانا رومؒ علماء کی صفوں میں نمودار ہوئے اور آپ نے اپنے کمالات کا مظاہرہ کیا تو مخلوق خدا اس قدر گرویدہ ہوئی کہ دوسرے اہل کمال کی عظمتوں کے چراغ دھندلے ہونے لگے۔ یہ بات علماء کی ایک جماعت کو سخت ناگوار گزری۔ پھر حسب روایت مولانا رومؒ کی تحقیر کرنے کے لیے ایک خفیہ منصوبہ تیار کیا گیا۔

پھر جب مولانا رومؒ ایک عظیم الشان اجتماع سے خطاب کرنے کے لئے کھڑے ہوئے تو اچانک ایک شخص مجمع سے اٹھا اور بہ آواز بلند بولا۔ "محترم مولانا! آپ اپنے پسندیدہ موضوع پر ہفتوں اور مہینوں کی تیاری کے بعد تقریر کرتے ہیں، یہ کوئی کمال نہیں ہے۔ اس طرح تو کوئی شخص بھی اپنے علم کا مظاہرہ کر سکتا ہے۔ پھر آپ میں کیا خوبی ہے؟"

"میں نے کبھی اپنے کمالات کا دعویٰ نہیں کیا۔" مولانا رومؒ نے بڑے تحمل سے جواب دیا۔ "میں تو ایک ادنیٰ طالب علم ہوں اور میری زندگی کا مقصد مخلوق خدا کی خدمت ہے۔ ویسے اگر آپ اپنی طرف سے کسی موضوع کا انتخاب کر لیں تو میں اس موضوع پر تقریر کرنے کی کوشش کروں گا۔" مولانا رومؒ کا جواب سن کر ہزاروں انسانوں کے مجمع پر گہرا سکوت چھا گیا۔

وہ شخص دوبارہ اٹھا اور منصوبے کے مطابق اس نے کہا۔ "مولانا! آج آپ سورۃ والضحیٰ کی تفسیر بیان کریں۔" یہ کہہ کر وہ شخص اپنی نشست پر بیٹھ گیا۔ اس شخص کا خیال تھا کہ مولانا جلال الدین رومیؒ کسی فی البدیہہ موضوع پر تقریر کرنے سے عاجز رہیں گے اور پھر ہزاروں انسانوں کی موجودگی میں ان کی محترم شخصیت ایک تماشا بن کر رہ جائے گی۔

ایک لمحے کے لیے مولانا رومؒ کے ہونٹوں پر ہلکا سا تبسم ابھرا۔ پھر آپ نے اپنے اللہ کی کبریائی بیان کی اور حضور اکرم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجا۔ اس کے بعد انسانی ہجوم سے مخاطب ہوئے۔ "قرآن کریم کی اس سورۂ مقدسہ میں استعمال ہونے والا پہلا حرف 'واؤ' ہے۔ آج میں اسی حرف مقدس کی تشریح کروں گا۔" یہ کہہ کر مولانا رومؒ نے اپنی تقریر کا آغاز کیا اور پھر مسلسل چھ گھنٹے تک صرف اس بات کی وضاحت کرتے رہے کہ اللہ نے سورۂ 'والضحیٰ' میں حرف 'و' کیوں استعمال کیا ہے؟

پورے مجمع پر سناٹا طاری تھا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے مولانا رومؒ کی زبان مبارک سے علم کا سمندر ابل رہا ہے جس کی تیز موجوں میں آج سب کچھ بہہ جائے گا۔ ابھی آپ کی تقریر ختم ہونے بھی نہیں پائی تھی کہ وہی شخص اپنی جگہ سے دیوانہ وار اٹھا اور اس نے مولانا رومؒ کے قدموں پر سر رکھ دیا۔

"واللہ! آپ عظیم ہیں۔ آج پورے روم میں آپ کا کوئی ثانی موجود نہیں۔ یہاں کے لوگ آپ کے علم وفضل سے حسد رکھتے ہیں۔ میں بھی اسی لعنت کا شکار ہو گیا تھا۔ خدا کے لیے مجھے معاف فرما دیجئے۔"

مولانا رومؒ نے اس شخص کو اٹھا کر گلے سے لگایا اور پھر ان لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا جو آپ کے خلاف درپردہ سازشیں کر رہے تھے۔ "میں ہر اس شخص کو معاف کرتا ہوں جو مجھ سے بے سبب عداوت رکھتا ہے۔ اللہ ان کے سینوں میں بھڑکتی ہوئی آتش حسد کو ٹھنڈا کر دے اور انہیں اپنے فضل وکرم سے ہدایت بخش دے۔"

یہ مولانا کی اعلیٰ ظرفی کا عظیم الشان مظاہرہ تھا جس نے بے شمار لوگوں کو آپ کا عقیدت مند بنا دیا۔

☆......☆......☆

مولانا جلال الدین رومیؒ ظاہری تعلیم وتربیت کے تمام مراحل طے کر چکے تھے۔ آپ کی شہرت ومحبوبیت میں بھی مسلسل اضافہ ہو رہا تھا۔ عوامی حلقوں سے لے کر امرائے وقت تک آپ کا بے حد احترام کرتے تھے لیکن اس کے باوجود مولانا رومؒ کو اپنی زندگی میں ایک خلاء سا محسوس ہوتا تھا۔ اکثر تنہائی میں آپ کے ہونٹوں سے آہ سرد نکل جاتی۔ کبھی کبھی خاص دوستوں کی محفل میں بھی آپ اپنی اس محرومی کا اظہار فرماتے۔

"میں آج بھی پیاسا ہوں اور یہ پیاس نہ جانے کب تک برقرار رہے گی؟"

مولانا رومؒ کے بے تکلف دوست اس پیاس کا مفہوم پوچھتے تو آپ بے اختیار فرماتے۔ "میں خود نہیں جانتا کہ یہ کیسی پیاس ہے؟ بس یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے میری روح تشنہ ہے۔"

دوست اس کا کیا جواب دیتے؟ وہ مولانا کے علم کے محتاج تھے۔ الغرض بہت دن تک مولانا کی یہی کیفیت رہی۔ پھر ایک دن ایک عجیب واقعہ پیش آیا جس نے مولانا رومؒ کی زندگی کو یکسر بدل ڈالا۔

مولانا جلال الدین رومیؒ کا کتب خانہ نادر ونایاب تصنیفات کی موجودگی کے سبب پورے ملک میں ایک خاص اہمیت رکھتا تھا۔ ایک دن مولانا رومؒ اسی کتب خانے میں شاگردوں کو درس دے رہے تھے، اچانک ایک اجنبی شخص اجازت کے بغیر اندر چلا آیا۔

مولانا رومؒ فطرتاً ایک متواضع انسان تھے۔ اس لئے اجنبی کی اس طرح آمد پر ناراض نہیں ہوئے لیکن پھر بھی انہیں اس شخص کا آنا اچھا معلوم نہیں ہوا۔ اجنبی اپنے حلیے کے اعتبار سے ایک عام سا آدمی تھا۔ پریشان حال، چہرے پر وحشت کا رنگ، معمولی لباس، مختصر یہ کہ اجنبی کی ظاہری شخصیت انتہائی غیر مؤثر تھی۔ اس لئے حاضرین میں سے کسی نے بھی اسے پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھا۔

خود مولانا رومؒ نے اس پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی اور شاگردوں کو درس دینے میں مشغول ہو گئے۔ اجنبی نے آتے ہی اہل مجلس کو سلام کیا تھا اور پھر حاضرین کی صفوں سے گزرتا ہوا مولانا رومؒ کے قریب جا کر بیٹھ گیا تھا۔ مولانا کے شاگردوں کو اجنبی کی یہ بے تکلفانہ ادا بھی سخت ناگوار گزری تھی مگر وہ استاد کے احترام میں خاموش رہے تھے۔ اگر ان کا بس چلتا تو وہ اجنبی شخص کو درس علم سے نکال دیتے یا پھر کم سے کم اسے سب سے پچھلی قطار میں بیٹھنے پر مجبور کر دیتے...... لیکن وہ آداب مجلس کے پیش نظر ایسا نہ کر سکے۔ پھر بھی ان کے ذہنوں میں اجنبی کے لیے ناپسندیدگی کا غبار بھر گیا تھا۔

مولانا رومؒ کا درس جاری رہا۔ اس دوران حاضرین نے محسوس کیا کہ اجنبی شخص کو مولانا رومؒ کے درس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ قیمتی کتابوں کے ذخیرے کو دیکھ رہا تھا۔ آخر اس سے ضبط نہ ہوا تو وہ درس کے دوران ہی بول اٹھا۔

"مولانا! یہ کیا ہے؟" اجنبی نے نادر ونایاب کتابوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

مولانا رومؒ کا چہرۂ مبارک متغیر ہو گیا۔ آپ کو اجنبی کی اس جاہلانہ مداخلت سے اذیت پہنچی تھی مگر مولانا نے فوراً ہی اپنے جذبات پر قابو پا لیا۔ "ذرا صبر کرو! میں اپنا کام مکمل کر لوں پھر تمہارے سوال کا جواب دوں گا۔" مولانا رومؒ بڑے شیریں کلام تھے مگر اجنبی کی اس غیر اخلاقی حرکت کے باعث آپ کے لہجے میں ہلکی سی تلخی در آئی تھی۔

اجنبی نے پھر کوئی سوال نہیں کیا مگر وہ بدستور مولانا رومؒ کے کتب خانے کا جائزہ لیتا رہا۔

آخر مولانا کا درس ختم ہوا اور آپ اس اجنبی کی طرف متوجہ ہوئے جس کی ناشائستہ حرکات نے حاضرین مجلس کے ذہنوں میں تکدر پیدا کر دیا تھا۔

"آپ کون ہیں اور یہاں کس لئے تشریف لائے ہیں؟" مولانا رومؒ اجنبی سے مخاطب ہوئے۔

"مولانا! آپ میرے بارے میں دریافت نہ کریں کہ میں کون ہوں؟" اجنبی نے انتہائی بے رخی سے کہا۔ "بس مجھے میرے سوال کا جواب دیجئے کہ یہ کیا ہے؟" اجنبی کے اٹھے ہوئے ہاتھ کا رخ کتابوں کی طرف تھا۔

اجنبی کا سوال مہمل تھا۔ بالآخر مولانا رومؒ کا لہجہ تلخ ہو گیا۔ "کیا تمہاری بینائی کمزور ہے؟"

"ہرگز نہیں؟" اجنبی نے اسی بے نیازی سے جواب دیا۔ "میں تو بہت دور تک دیکھ سکتا ہوں۔"

"پھر تمہیں نظر نہیں آتا کہ یہ کیا ہے؟" اجنبی کی بے سروپا گفتگو نے مولانا جلال الدین رومیؒ جیسے شیریں بیان اور متحمل انسان کو جھنجھلاہٹ میں مبتلا کر دیا تھا۔

"مجھے تو بہت کچھ نظر آ رہا ہے مگر میں آپ کی زبان سے سننا چاہتا ہوں کہ یہ کیا ہے؟" اجنبی بار بار ایک ہی سوال دہرائے جا رہا تھا۔

مولانا رومؒ کو اجنبی کا لہجہ بہت ناگوار گزرا۔ آخر آپ نے تلخ لہجے میں فرمایا۔ "یہ وہ ہے جسے تم نہیں جانتے۔"

مولانا کا جواب سن کر اجنبی کھڑا ہو گیا۔ پھر اس نے کتابوں کی طرف اشارہ کیا اور ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔ "اچھا! یہ وہ ہے جسے میں نہیں جانتا۔" ابھی فضا میں اجنبی کے الفاظ کی گونج باقی تھی کہ یکایک کتب خانے میں آگ بھڑک اٹھی اور مولانا روم کی نادر ونایاب کتابیں جلنے لگیں۔ یہ سب کچھ اس قدر ناقابل یقین تھا کہ مولانا جلال الدین رومیؒ دم بخود رہ گئے اور حاضرین مجلس پر سکتہ طاری ہو گیا۔

اجنبی بے نیازانہ آگے بڑھا۔ مولانا رومؒ نے پکار کر کہا۔ "اے شخص! یہ کیا ہے؟" مولانا نے آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کی طرف اشارہ کیا۔

اجنبی مسکرایا۔ "مولانا! یہ وہ ہے جسے آپ نہیں جانتے۔" اتنا کہہ کر اجنبی واپس جانے لگا۔

مولانا رومؒ کے ہونٹوں سے آہ سرد نکلی۔ "ہائے! میری نادر ونایاب کتابیں؟ اے شخص! تیری وجہ سے سب کچھ راکھ ہو گیا۔"

اجنبی جاتے جاتے رک گیا اور پھر مڑ کر مولانا رومؒ سے مخاطب ہوا۔ "اگر یہ سب کچھ میری وجہ سے ہوا ہے تو پھر میں تمہیں تمہاری کتابیں واپس کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے ہاتھ کا اشارہ کیا اور پھر حاضرین نے دیکھا کہ بھڑکتے ہوئے شعلے بجھ گئے اور مولانا رومؒ کے کتب خانے میں آگ کا نام ونشان تک نہیں رہا تھا۔ اس کے بعد اجنبی کچھ کہے بغیر تیزی کے ساتھ چلا گیا۔

مولانا رومؒ پر ایک بار پھر حیرت طاری ہو گئی۔ آپ کچھ دیر تک گہرے سکوت کے عالم میں کھڑے رہے۔ پھر آہستہ آہستہ اپنی کتابوں کی طرف بڑھے۔ مولانا کا خیال تھا کہ کچھ کتابیں مکمل طور پر تباہ ہو چکی ہوں گی اور بعض جزوی طور پر نقصان پہنچا ہوگا مگر اس وقت روم کا سب سے بڑا عالم حیرت زدہ رہ گیا، جب اس نے اپنی تمام کتابوں کو صحیح وسالم پایا۔ کتب خانے میں موجود شاگرد بھی ایک ایک ورق کو بغور دیکھتے رہے مگر ایسا لگتا تھا کہ جیسے یہاں آگ لگنے کا واقعہ ہی پیش نہ آیا ہو۔ مولانا رومؒ اور حاضرین مجلس پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔ اجنبی کو تلاش کیا گیا لیکن دور دور اس کا پتا نہیں تھا۔ وہ پراسرار انداز میں آیا اور اسی طرح واپس چلا گیا تھا۔

پھر جب حیرتیں کم ہوئیں اور اہل مجلس کے حواس بحال ہوئے تو شاگردوں نے مولانا رومؒ سے عرض کیا۔ "استاد محترم! یہ سب کچھ کیا ہے؟"

مولانا جلال الدین رومیؒ نے بڑے حسرت زدہ لہجے میں فرمایا۔ "یہ وہ ہے جسے میں بھی نہیں جانتا۔"

کچھ تذکرہ نویسوں نے اس واقعے کو اس طرح بیان کیا ہے کہ ایک دن مولانا رومؒ حوض کے کنارے بیٹھے ہوئے مطالعہ کر رہے تھے، اچانک ایک اجنبی شخص آیا اور مولانا کے قریب رکھی ہوئی کتابوں کے بارے میں پوچھنے لگا کہ یہ کیا ہے؟

مولانا رومؒ نے انتہائی بے رخی سے جواب دیا۔ "یہ وہ ہے جسے تم نہیں جانتے۔"

اجنبی نے مولانا سے مزید کوئی سوال نہیں کیا اور تمام کتابیں اٹھا کر حوض میں ڈال دیں۔

مولانا رومؒ ایک غیر مہذب اجنبی کی اس حرکت کو برداشت نہ کر سکے اور سخت طیش کے عالم میں فرمانے لگے۔ "اے جاہل شخص! تجھے خبر ہے کہ تو نے کیسی نادر ونایاب کتابیں تباہ کر ڈالیں۔ یہ وہ قیمتی نسخے تھے جو کسی شہنشاہ کو بھی میسر نہیں ہوں گے۔"

اجنبی نے مولانا رومؒ کو شدید اضطراب میں مبتلا دیکھا تو مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔ "اگر یہ بات ہے تو میں تمہاری کتابیں واپس کئے دیتا ہوں۔" اتنا کہہ کر اجنبی حوض میں اتر گیا اور تمام کتابیں نکال کر مولانا کے حوالے کر دیں۔

مولانا رومؒ شدید حیرت کے عالم میں اپنی قیمتی کتابوں کو دیکھنے لگے۔ کسی کتاب کا ایک ورق بھی پانی میں نہیں بھیگا تھا۔

"یہ کیا ہے؟" مولانا روم نے اجنبی سے پوچھا۔

اجنبی نے ایک مخصوص تبسم کے ساتھ نہایت شگفتہ لہجے میں جواب دیا۔ "مولانا! یہ وہ ہے جسے آپ نہیں جانتے۔" اتنا کہہ کر اجنبی چلا گیا اور مولانا جلال الدین رومیؒ حوض کے کنارے دم بخود بیٹھے رہے۔

جس اجنبی شخص کی کرامت نے مولانا رومؒ جیسے نابغۂ روزگار عالم کو حیران کر دیا تھا، وہ مشہور بزرگ حضرت شمس تبریزؒ تھے۔

حضرت شمس تبریزؒ کی اس ملاقات نے مولانا رومؒ کی دنیا ہی بدل ڈالی۔ یہ ایسا زبردست انقلاب تھا کہ مولانا اپنی روش ہی بھول گئے۔ کتب خانہ بند کر دیا گیا اور درس وتدریس کے تمام سلسلے ختم ہو گئے۔

اب مولانا جلال الدین رومیؒ کو بس ایک ہی کام تھا کہ ہر وقت حضرت شمس تبریزؒ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ یہ ایک ایسی تبدیلی تھی کہ پورے شہر میں ہنگامہ برپا ہو گیا۔ مولانا کے ہزاروں عقیدت مند برملا کہا کرتے تھے۔

"قونیہ ویران ہو گیا اور اس ویرانی کا سبب وہ جاہل فقیر ہے، جس نے ہم سے ہمارا عالم چھین لیا۔"

مولانا جلال الدین رومیؒ کے بعض عقیدت مند اور شاگرد جوش جذبات میں حد سے گزر گئے تھے۔ وہ حضرت شمس تبریزؒ کے بارے میں گستاخانہ الفاظ استعمال کرتے تھے۔ "کہاں آپ جیسا فاضل انسان اور کہاں وہ بے علم کوچہ گرد۔"

(جاری ہے)

KitaabPoint.Blogspot.com

رحمۃ اللہ علیہ

حضرت جلال الدین رومی

آخری قسط

خان آصف

مولانا رومؒ سب کچھ سنتے تھے مگر آپ پر کسی طنز اور کسی طعنہ زنی کا اثر نہیں ہوتا تھا۔ اگر کبھی کوئی عزیز یا دوست بہت زیادہ جرح کرتا تو بس اتنا کہہ کر خاموش ہو جاتے۔

"تم کیا جانو کہ شمس تبریزؒ کون ہیں؟"

اب ایک مخصوص کمرہ تھا۔ حضرت شمس تبریزؒ تھے اور مولانا رومؒ۔ باقی دنیا سے اب مولانا کا کوئی تعلق باقی نہیں رہا تھا۔ پھر وہ وقت بھی آیا جب مولانا رومؒ کو گھر والوں کا بھی ہوش نہیں رہا۔ بیوی، شوہر سے اور بچے، باپ سے بدظن رہنے لگے۔ آخر مولانا رومؒ کے اہل خانہ بھی حضرت شمس تبریزؒ کو جادوگر کہہ کر پکارنے لگے۔

"تبریز کے سحر نے ہمارا گھر برباد کر دیا۔ خدا اسے غارت کر دے۔"

قونیہ کا ایک ایک فرد حضرت شمس تبریزؒ کو برا بھلا کہہ رہا تھا مگر مولانا رومؒ اسی مرد قلندر کی بارگاہ میں دست بستہ کھڑے تھے۔

حضرت شمس تبریزؒ کا پورا نام محمد شمس الدین تھا۔ شہر تبریز کے حوالے سے شہرت دوام پائی۔ حضرت شمس تبریزؒ 560ھ میں بمقام سبزوار (عراق) پیدا ہوئے۔ آپ کے والد گرامی کا نام سید صلاح الدین محمد نوربخش تھا۔ حضرت شمس تبریزؒ کا سلسلۂ نسب براہ راست حضرت امام جعفر صادقؓ سے ملتا ہے۔ ہوش سنبھالتے ہی حضرت شمس تبریزؒ کو تعلیم و تربیت کے لیے ان کے چچا عبدالہادیؒ کے سپرد کر دیا گیا۔ چچا نے بھتیجے پر بہت محنت کی۔ یہاں تک کہ تفسیر، فقہ اور حدیث کے ساتھ دیگر علوم سے بھی آراستہ کر دیا۔

جب 579ھ میں سید صلاح الدین محمد نوربخشؒ دعوت اسلام کے لیے بدخشاں کی طرف روانہ ہوئے تو حضرت شمس تبریزؒ کو بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ اس وقت ان کی عمر انیس سال تھی۔ بدخشاں میں ہزاروں لوگوں کو حق کی تعلیم دی۔ پھر "تبت کوچک" کی طرف گئے اور سیکڑوں انسانوں کو دین اسلام میں داخل کیا۔ پھر یہاں سے باپ اور بیٹے نے کشمیر کا رخ کیا۔ اس وقت یہاں کے لوگ سورج کی پرستش کرتے تھے۔ حضرت سید صلاح الدینؒ اور حضرت شمس تبریزؒ کی کوششوں سے ہزاروں بت پرست باشندوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اس علاقے کی "چنگیز" قوم نے انہیں بہت پریشان کیا مگر بعد میں یہ لوگ بھی جلد ہی مطیع و فرماں بردار ہو گئے۔

586ھ میں حضرت شمس تبریزؒ والد محترم کے ہمراہ واپس اپنے وطن سبزوار تشریف لے گئے۔ یہاں حضرت شمس تبریزؒ کی شادی ہو گئی۔ آپ کے دو فرزند سید نصیر الدین محمد اور سید علاء الدین احمد پیدا ہوئے۔ سید علاء الدین احمد "زندہ پیر" کے لقب سے مشہور ہوئے۔

حالات و واقعات کے اعتبار سے حضرت شمس تبریزؒ کی شخصیت بہت متنازع نظر آتی ہے۔ آپ نے خانہ بدوشی کی زندگی بسر کی اور تمام عمر ایک عجیب اذیت و کرب میں مبتلا رہے۔ بغداد تشریف لے گئے تو مقامی علماء کو آپ کے خیالات سے شدید اختلاف ہو گیا۔ بادشاہ وقت ان علماء کے زیر اثر تھا۔ نتیجتاً حضرت شمس تبریزؒ کو شہر بدر ہونا پڑا۔ ابھی آپ بغداد کی حدود سے نکلے ہی تھے کہ اچانک بادشاہ کا بیٹا بیمار پڑا اور دوسرے دن مر گیا۔ بادشاہ کو خیال گزرا کہ شاید یہ المناک واقعہ حضرت شمس تبریزؒ سے بدسلوکی کے باعث رونما ہوا ہے۔ مجبوراً اس نے اپنے مشیران خاص کو حضرت شمس تبریزؒ کی تلاش میں روانہ کرتے ہوئے کہا۔

"کوئی بھی صورت ہو، انہیں بغداد واپس لاؤ۔"

بادشاہ کا حکم پاتے ہی مشیران خاص برق رفتار گھوڑوں پر سوار ہو کر دوڑ پڑے۔ حضرت شمس تبریزؒ ابھی بغداد کے نواح میں مقیم تھے کہ شاہی قاصدوں نے انہیں جا لیا اور پھر دست بستہ عرض کیا۔ "حضور! آپ بغداد واپس تشریف لے چلیں۔"

شاہی کارندوں کی درخواست سن کر حضرت شمس تبریزؒ کے چہرے پر اذیت کا رنگ ابھر آیا۔ "کل جس جگہ سے مجھے ذلیل کر کے نکال دیا گیا، آج اسی مقام پر واپس جانے کے لیے کہہ رہے ہو؟ آخر تم لوگوں پر کیا افتاد پڑی ہے کہ مجھ خانہ بدوش کا خیال آ گیا۔"

"ہمارے بادشاہ کا یہی حکم ہے۔" شاہی کارندوں نے خوشامدانہ لہجے میں عرض کیا۔

"میں تو بس ایک بادشاہ کا حکم مانتا ہوں۔" حضرت شمس تبریزؒ نے بے نیازانہ کہا۔ "باقی بادشاہوں کو میں نہیں جانتا۔"

حضرت شمس تبریزؒ کے انکار سے صورت حال بگڑ گئی تھی۔ شاہی کارندے اس مرد قلندر کے قدموں سے لپٹ گئے اور بہت دیر تک عاجزی کا مظاہرہ کرتے رہے۔ آخر حضرت شمس تبریزؒ کو ان لوگوں پر رحم آ گیا۔ پھر یہ کہتے ہوئے شاہی کارندوں کے ساتھ ہو گئے۔ "چلو! تمہارے کہنے سے چلتا ہوں مگر بغداد کے لوگ زیادہ دن تک مجھے برداشت نہیں کر سکیں گے۔"

جب حضرت شمس تبریزؒ شاہی محل میں پہنچے تو وہاں صف ماتم بچھی ہوئی تھی۔ تمام درباری سیاہ لباس پہنے ہوئے اپنے ولی عہد سلطنت کی موت کا سوگ منا رہے تھے۔ بادشاہ بڑے احترام کے ساتھ پیش آیا مگر اس کے چہرے پر غم و اندوہ کا دھواں پھیلا ہوا تھا اور آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں۔

"یہ سب کچھ کیا ہے؟" حضرت شمس تبریزؒ نے بادشاہ سے دریافت کیا۔ "پورا شہر ماتم کدہ کیوں بنا ہوا ہے؟ کچھ دن پہلے جب میں یہاں سے گیا تھا تو بغداد کے در و دیوار کیف و نشاط سے جھوم رہے تھے مگر آج یہاں قبرستان جیسا سناٹا ہے۔"

بادشاہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموشی سے حضرت شمس تبریزؒ کو ساتھ لے کر اس کمرے میں پہنچا جہاں اس کے محبوب بیٹے کی لاش رکھی ہوئی تھی۔ حضرت شمس تبریزؒ نے سوالیہ نظروں سے بادشاہ کی طرف دیکھا۔

"یہ میرے جواں مرگ بیٹے کی میت ہے۔" بادشاہ نے نمناک آنکھوں اور لرزتے ہوئے لہجے کے ساتھ کہا۔ "آپ کے بغداد سے جاتے ہی یہ اچانک بیمار ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے آغوش فنا میں چلا گیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ اسی گستاخی کا شاخسانہ ہے جو میں نے آپ کی شان میں روا رکھی تھی۔"

حضرت شمس تبریزؒ مسکرانے لگے۔ "درویش کے ساتھ لوگ گستاخی سے پیش آتے ہی رہتے ہیں۔ مجھے آپ سے بھی کوئی شکایت نہیں۔"

بادشاہ بہت دیر تک معذرت طلب کرتا رہا۔

"میں نے گزشتہ باتوں کو فراموش کر دیا۔" حضرت شمس تبریزؒ نے اسی بے نیازی کے ساتھ کہا۔ "اب آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟"

"میں سمجھتا ہوں کہ آپ کی دل آزاری کے سبب میرا بیٹا اس انجام تک پہنچا ہے۔" شدت غم سے بادشاہ کی آواز کانپ رہی تھی۔

"فی الواقع اگر یہی بات ہے تو آپ کے بیٹے کو سزا کیوں ملی؟ گناہ تو آپ نے کیا تھا۔" حضرت شمس تبریزؒ نے فرمایا۔

"ممکن ہے کہ قدرت نے میرے لیے یہی سزا منتخب کی ہو کہ میں تمام عمر بیٹے کی جدائی میں تڑپتا رہوں۔" بادشاہ کی آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسوؤں میں کچھ اور تیزی آ گئی تھی۔

"اللہ اپنے رازوں کو خود ہی بہتر جانتا ہے، میں آپ کے لیے کیا کر سکتا ہوں؟" حضرت شمس تبریزؒ نے حاکم بغداد سے سوال کیا۔

"میری درخواست ہے کہ آپ میرے بیٹے کے حق میں دعائے خیر فرما دیں۔" بادشاہ نے بڑے عاجزانہ لہجے میں عرض کیا۔ "ہو سکتا ہے کہ آپ کی دعاؤں سے میرے بیٹے کو نئی زندگی مل جائے۔"

"ایسا ہوتا تو نہیں ہے، جو چلا گیا سو چلا گیا۔" حضرت شمس تبریزؒ نے فرمایا۔ "پھر بھی تمہاری تالیف قلب کے لیے اپنے مالک کی بارگاہ میں عرض کیے دیتا ہوں۔"

یہ کہہ کر حضرت شمس تبریزؒ نے آنکھیں بند کر لیں۔ پھر آپ کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی۔ "اے اللہ! اگر تو نے اس لڑکے پر میری دل آزاری کے باعث موت مسلط کر دی ہے تو میں اسے معاف کرتا ہوں۔ تو بھی اس عاجز بندے محمد شمس الدین کی خاطر اپنے بے پناہ اور بے مثال فضل و کرم کا مظاہرہ کر، اور اس بچے کو معاف فرما دے۔"

ابھی ایوان شاہی کے ایک کمرے میں حضرت شمس تبریزؒ کے الفاظ کی گونج باقی تھی کہ شاہزادے کے جسم کو جنبش ہوئی، پھر وہ اپنے بستر سے اٹھ کر بیٹھ گیا اور حیرت زدہ نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔

بادشاہ بغداد کچھ دیر تک حیرت و سکوت کے عالم میں کھڑا رہا۔ کبھی وہ حضرت شمس تبریزؒ کی طرف دیکھتا اور کبھی اپنے محبوب بیٹے کی طرف، جو وادی فنا میں داخل ہونے کے بعد دوبارہ اس دنیا میں لوٹ آیا تھا۔ یکایک شاہ بغداد کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں۔ یہ خوشی اور عقیدت کے آنسو تھے۔ پھر فرمانروائے بغداد حضرت شمس تبریزؒ کے قدموں میں جھک گیا۔ "یہ سب کچھ آپ کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔"

"ہرگز نہیں۔" حضرت شمس تبریزؒ نے شاہ بغداد کو اٹھاتے ہوئے کہا۔ "یہ تو اس قادر مطلق کی کرم نوازی کا ادنیٰ مظاہرہ ہے جو اپنی ذات میں لاشریک ہے، بس اسی کا شکر ادا کرو اور اسی کی تسبیح بیان کرو۔"

یہ حضرت شمس تبریزؒ کی بڑی کرامت تھی مگر یہی کرامت ان کے لیے وبال جان بن گئی۔ جب علمائے بغداد کو حضرت شمس تبریزؒ کی واپسی اور شہزادے کے زندہ ہونے کی خبر ملی تو وہ دوبارہ ایک نئے منصوبے کے ساتھ اس مرد قلندر کے خلاف صف آراء ہو گئے۔ کہا گیا کہ یہ شعبدہ بازی ہے اور اسلام میں شعبدہ بازی کی کوئی گنجائش نہیں۔

شاہ بغداد نے بڑے دلائل کے ساتھ حضرت شمس تبریزؒ کا دفاع کیا۔ "اگر یہ شعبدہ بازی ہے تو پھر آپ میں سے کوئی شخص بغداد کے عوام کے سامنے ایسا کوئی مظاہرہ پیش کر دے، پھر میں سمجھ لوں گا کہ حضرت شمس تبریزؒ شعبدہ باز ہیں۔"

"ہم اہل ایمان ہیں اور ہمیں شعبدہ بازی سے کوئی نسبت نہیں۔" علمائے بغداد نے بیک زبان کہا۔ "شمس تبریزؒ نے پہلے اپنی ساحرانہ قوتوں سے شہزادے کو بے ہوش کر دیا، پھر خود ہی جادو کے اثرات کو زائل کر دیا۔ نتیجتاً شہزادہ ہوش میں آ گیا اور سادہ لوح عوام سمجھنے لگے کہ ولی عہد سلطنت ایک مرد خدا کی دعاؤں سے دوبارہ زندہ ہو گیا۔ یہ سب فریب نظر ہے، اسی کو شعبدہ بازی کہتے ہیں اور اسی کا نام جادوگری ہے۔ اگر وہ شخص ایسا ہی مستجاب الدعوات ہے تو پھر کسی قبرستان میں جا کر دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دے اور ان مُردوں کو زندہ کر دے جو برسوں سے گہری نیند سو رہے ہیں۔"

عجیب کج بحثی کی فضا تھی۔ شاہ بغداد نے حضرت شمس تبریزؒ کی بہت حمایت کی مگر علمائے بغداد یہی کہتے رہے۔ "وہ ایک ساحر ہے اور اسلام میں ساحری حرام ہے۔" بالآخر ایک طویل بحث کے بعد علمائے بغداد نے حضرت شمس تبریزؒ پر کفر کا فتویٰ لگا دیا اور مطالبہ کیا کہ ان کی کھال کھنچوا کر بغداد سے باہر نکال دیا جائے۔

بغداد کے تمام اراکین سلطنت بھی علماء کے ہم نوا تھے۔ انجام کار بادشاہ کی مرضی کے خلاف بھرے مجمع میں حضرت شمس تبریزؒ کی کھال کھینچ لی گئی اور اس حالت میں بغداد سے نکال دیا گیا کہ پورا جسم لہولہان تھا۔ ولی عہد سلطنت شہزادہ محمد کو حضرت شمس تبریزؒ سے بہت عقیدت تھی۔ جب آپ شہر بدر ہوئے تو شہزادہ محمد بھی آپ کے ہمراہ تھا، رخصت ہوتے وقت اس نے اپنے امرائے سلطنت کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔

"جس ملک میں حضرت شمس تبریزؒ جیسے صاحب کمال کے ساتھ یہ سلوک کیا جائے، وہ ایک لعنت کدہ ہے اور میں اس لعنت کدے میں سانس لینا بھی گناہ سمجھتا ہوں۔" یہ کہہ کر شہزادہ محمد، حضرت شمس تبریزؒ کے ساتھ بغداد کی حدود سے نکل گیا۔

بغداد سے نکل کر حضرت شمس تبریزؒ نے ہندوستان کا رخ کیا اور طویل مسافت طے کر کے ملتان پہنچے اور پھر اسی تاریخی شہر میں سکونت پذیر ہو گئے۔ اس وقت مشہور بزرگ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ حیات تھے۔ جب آپ کو حضرت شمس تبریزؒ کی آمد کی اطلاع ملی تو شیخ نے ان کی خدمت میں دودھ کا پیالہ بھیجا۔

حضرت شمس تبریزؒ نے بڑے احترام کے ساتھ پیالہ لے لیا اور پھر اس میں گلاب کا پھول ڈال کر حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے خادم کو واپس کر دیا۔ بعض اہل تصوف نے اس واقعے کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ دودھ کا لبریز پیالہ بھیجنے سے حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ کی مراد یہ تھی کہ ملتان میں اب کسی دوسرے درویش کی گنجائش نہیں۔ جواب میں حضرت شمس تبریزؒ نے دودھ کے پیالے میں گلاب کا پھول ڈال دیا۔ اس سے ان کا مقصد تھا کہ وہ ملتان میں پھول بن کر رہیں گے یعنی ان کی ذات سے کسی کو کوئی ضرر نہیں پہنچے گا۔

حضرت شمس تبریزؒ اپنے عہد پر قائم رہے مگر ملتان کے لوگوں نے بھی اہل بغداد کی طرح آپ کی شدید مخالفت کی۔ ایک بار یوں ہوا کہ حضرت شمس تبریزؒ کو گوشت بھوننے کے لیے آگ کی ضرورت پیش آئی۔ آپ نے شہزادہ محمد کو آگ لانے کے لیے بھیجا مگر پورے شہر میں کسی نے آگ نہیں دی۔ ایک سنگ دل شخص نے تو شہزادے کو اتنا مارا کہ اس کے دلکش چہرے پر زخموں کے نشانات ابھر آئے۔

"یہ کیا ہے؟" حضرت شمس تبریزؒ نے شہزادے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم تو آگ لینے گئے تھے۔"

شہزادہ محمد نے پورا واقعہ سنایا تو حضرت شمس تبریزؒ کو جلال آ گیا۔ آپ نہایت غصے کی حالت میں اپنی خانقاہ سے نکلے، گوشت کا ٹکڑا ہاتھ میں تھا۔ پھر حضرت شمس تبریزؒ نے آسمان پر نظر کی اور سورج کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

"تو بھی شمس، میں بھی شمس۔ میرے اس گوشت کے ٹکڑے کو بھون دے۔"

اتنا کہنا تھا کہ یکایک گرمی کی شدت میں اضافہ ہو گیا، پھر یہ گرمی اتنی بڑھی کہ اہل ملتان چیخ اٹھے۔ در و دیوار جل رہے تھے اور پورا شہر آگ کی بھٹی بن کر رہ گیا تھا۔

کچھ باخبر لوگوں نے یہ صورت حال دیکھی تو حضرت شمس تبریزؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے۔ "کیا چند نادانوں کے جرم کی سزا پورے شہر کو دے ڈالیں گے۔"

"یہ نادان نہیں، سفاک ہیں۔" حضرت شمس تبریزؒ نے غضب ناک لہجے میں فرمایا۔ "آگ جیسی بے قیمت چیز نہیں دے سکے۔ میرے محبوب کے چہرے کو زخموں سے سجا دیا۔ آخر کیا جرم تھا اس کا؟ جانتے ہو اسے یہ کون ہے؟ بغداد کا شہزادہ ہے۔ میری خاطر دروازے دروازے بھیک مانگنے گیا۔ میں اس کے زخموں کو کیسے بھول سکتا ہوں؟ جب تک سارے شہر کے جسم آبلوں سے نہیں بھر جائیں گے، اس وقت تک مجھے قرار نہیں آئے گا۔"

"یہ آپ کے مقام سے واقف نہیں۔ خدا کے لئے انہیں معاف فرما دیجئے۔" ملتان کے دانائے راز حضرات نے اپنے ہم وطنوں کی سفارش کرتے ہوئے کہا۔ "اور یہ بات آپ جیسے بزرگ کے شایان شان بھی نہیں۔"

"خیر! جب خدا کو درمیان میں لے آئے ہو تو معاف کیے دیتا ہوں۔" حضرت شمس تبریزؒ نے مقامی لوگوں کی جماعت سے فرمایا اور پھر سورج سے مخاطب ہوئے۔ "اپنی حرارت کم کر دے۔ پتا نہیں یہ لوگ روز حشر کی گرمی کو کیسے برداشت کریں گے؟" آپ کا یہ فرمانا تھا کہ سورج کی حرارت اعتدال پر آ گئی۔

خدا ہی جانتا ہے کہ یہ واقعہ کس طرح پیش آیا تھا مگر عوام ملتان کی گرمی کو اسی واقعے کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔

675ھ میں حضرت شمس تبریزؒ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ آپ کا مزار مبارک ایک قلعہ نما فصیل کے اندر شیخ محمد جمال ملتانیؒ کے روضے سے کچھ فاصلے پر ہے۔

مشہور مورخ قاسم فرشتہ نے تحریر کیا ہے کہ حضرت شمس تبریزؒ اسماعیلی فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔ ہر چند کہ تاریخ میں فرشتہ ایک معتبر نام ہے مگر حضرت شمس تبریزؒ کے بارے میں اس کی یہ روایت درجہ اعتبار سے ساقط ہے۔ بعد میں آنے والے مورخین نے اپنی تحقیق سے ثابت کر دیا تھا کہ شمس تبریزؒ کے والد سید اصلاح الدینؒ اس بزرگ کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے جو فرقہ اسماعیلیہ کا امام تھا مگر انہوں نے اپنا آبائی مذہب ترک کر دیا تھا۔ دوسرے یہ کہ مولانا جلال الدین رومیؒ جیسے عالم و فاضل انسان کبھی اس شخص کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ نہیں دیتے جو ان کے عقیدے سے مختلف عقیدہ رکھتا ہو، اس لیے حضرت شمس تبریزؒ کو اسماعیلی کہنا صریحاً غلط ہے۔ دراصل یہ ان لوگوں کی الزام تراشی تھی جن کا ظاہری علم حضرت شمس تبریزؒ کے روحانی کمالات کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس بحث سے قطع نظر حضرت شمس تبریزؒ بابا کمال جندیؒ کے مرید ہوئے لیکن عام صوفیوں کی طرح "پیری مریدی" اور "بیعت و ارادت" کا طریقہ اختیار نہیں کیا۔ سوداگروں کے انداز میں شہروں کی سیاحت کرتے رہتے۔ جہاں جاتے کسی سرائے میں ٹھہرتے اور پھر ایک گوشہ پکڑ کر مراقبے میں مصروف ہو جاتے۔

حضرت شمس تبریزؒ کا ذریعۂ معاش مزدوری تھا۔ آپ ازار بند بنتے تھے اور اسی کو فروخت کر کے روزی حاصل کرتے تھے۔ ایک بار مناجات کے وقت یہ دعا مانگی۔

"الٰہی! کوئی ایسا بندۂ خاص ملتا جو میری صحبت کا متحمل ہو سکتا۔"

عالم غیب سے اشارہ ہوا کہ روم چلے جاؤ وہاں تمہاری مراد پوری ہو جائے گی۔

حضرت شمس تبریزؒ اسی وقت چل کھڑے ہوئے۔ قونیہ پہنچے تو رات کا وقت ہو چکا تھا۔ "برنج فروشوں" کی سرائے میں اترے۔ صبح ہوئی تو آپ نے دیکھا کہ سرائے کے دروازے پر ایک بلند چبوترہ تھا۔ شہر کے اکثر امراء اور صاحبان ثروت تفریح کے لیے اسی چبوترے پر آ بیٹھتے تھے۔ حضرت شمس تبریزؒ بھی ایک گوشے میں بیٹھ جاتے اور خاموشی سے آنے جانے والوں کو دیکھتے رہتے۔ ایک دن مولانا جلال الدین رومیؒ اسی راستے سے گزرے تو حضرت شمس تبریزؒ چونک اٹھے۔ مولانا کے ہزاروں شاگرد تھے جو ہاتھ باندھے اور نظریں جھکائے اپنے استاد کے پیچھے چل رہے تھے۔ دیکھنے والوں کو ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے کسی شہنشاہ کی سواری گزر رہی ہو۔

حضرت شمس تبریزؒ کے دل سے آواز آئی۔ "یہی ہے وہ مرد خاص جو تیری صحبت کا متحمل ہو سکتا ہے۔"

جب مولانا جلال الدین رومیؒ چلے گئے تو حضرت شمس تبریزؒ نے کسی مقامی باشندے سے پوچھا۔ "یہ صاحب کون ہیں جو ابھی ابھی یہاں سے گزرے ہیں، بڑی شان ہے ان کی۔"

"یہ مولانا جلال الدین رومیؒ ہیں۔" بتانے والے نے بتایا۔ "یہاں کے سب سے بڑے عالم، کوئی شخص ان کے علم و فضل کی ہمسری نہیں کر سکتا۔"

حضرت شمس تبریزؒ نے اسی شخص سے مولانا رومؒ کی خانقاہ کا پتا پوچھا اور دوسرے دن مولاناؒ کے کتب خانے میں جا پہنچے، پھر کتابیں جلنے کا وہ مشہور واقعہ پیش آیا۔

ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ ایک دن حضرت شمس تبریزؒ نے مولانا رومؒ سے پوچھا۔ "حضرت بایزید بسطامیؒ کے ان دونوں واقعات میں کیونکر تطبیق ہو سکتی ہے۔ ایک طرف تو حضرت بایزیدؒ کا یہ حال تھا کہ آپ نے اس خیال سے زندگی بھر خربوزہ نہیں کھایا کہ پتا نہیں سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کس طرح کھایا ہے؟ دوسری طرف اپنے بارے میں فرمایا کرتے تھے۔ "اللہ اکبر! میری شان کس قدر بڑی ہے؟" حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام تر عظمتوں اور بزرگیوں کے باوجود فرمایا کرتے تھے کہ میں دن بھر میں ستر بار استغفار کرتا ہوں۔"

جواب میں مولانا رومؒ نے فرمایا۔ "اگرچہ حضرت بایزید بسطامیؒ بہت پائے کے بزرگ تھے لیکن مقامِ ولایت میں وہ ایک خاص درجے پر ٹھہر گئے تھے اور اس درجے کی عظمت کے زیر اثر ان کی زبان سے ایسے الفاظ نکل جاتے تھے۔ اس کے برعکس رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم منازل تقرب میں برابر ایک پائے سے دوسرے پائے پر چڑھتے جاتے تھے۔ اس لئے جب بلند پائے پر پہنچتے تھے تو پہلا پایہ اس قدر پست نظر آتا تھا کہ اس سے استغفار کرتے تھے۔"

مولانا رومؒ کا جواب سن کر حضرت شمس تبریزؒ بہت خوش ہوئے۔

بغداد کے شہزادے محمد کی طرح مولانا رومؒ بھی حضرت شمس تبریزؒ کی شخصیت کے اسیر ہو گئے تھے، پھر یہ اسیری اس قدر بڑھی کہ مولانا رومؒ ساری دنیا سے بے نیاز ہو گئے۔ مولانا کے شاگرد اور اہل خانہ حضرت شمس تبریزؒ کو جادوگر کہہ کر پکارنے لگے۔ یہ تمام باتیں کسی بڑے ہنگامے کا پیش خیمہ تھیں۔ حضرت شمس تبریزؒ اس صورت حال کو زیادہ دن برداشت نہ کر سکے...... اور پھر ایک رات جب تمام لوگ گہری نیند سوئے ہوئے تھے، حضرت شمس تبریزؒ خاموشی کے ساتھ گھر سے نکل گئے۔

صبح جب مولانا رومؒ بیدار ہوئے تو اپنے پیر و مرشد کو نہ پا کر مولانا کے دل پر قیامت گزر گئی۔ دیوانہ وار ہر طرف ڈھونڈتے پھرے، شہر کا گوشہ گوشہ چھان مارا مگر حضرت شمس تبریزؒ قونیہ کی حدود سے بہت دور جا چکے تھے۔ مولانا رومؒ کے شاگرد اور اہل خاندان حضرت شمس تبریزؒ کی روپوشی سے بہت خوش تھے۔ وہ لوگ برملا کہا کرتے تھے۔

"خدا کا شکر ہے کہ وہ جادوگر یہاں سے چلا گیا۔ اب مولانا اس کے طلسم سے آزاد ہو جائیں گے۔"

حضرت شمس تبریزؒ کی گمشدگی کے بارے میں صرف ایک شخص سپہ سالار نے جو مولانا رومؒ کی خدمت میں چالیس سال گزار چکے تھے، لکھا ہے کہ وہ فتنے کے خوف سے شب کی تاریکی میں کہیں چلے گئے تھے۔ اس کے برعکس تمام تذکرہ نویسوں نے یہ المناک حقیقت بیان کی ہے کہ جب مولانا رومؒ حضرت شمس تبریزؒ سے ملاقات کرنے کے بعد ساری دنیا کو فراموش کر بیٹھے تھے، اس دور میں مولانا کے بعض انتہا پسند مریدوں نے حسد کی وجہ سے حضرت شمس تبریزؒ کو قتل کر دیا تھا۔

اخبار الصالحین کے مصنف کا بیان ہے کہ ایک بار حضرت شمس تبریزؒ مولانا رومؒ کے پاس خلوت میں بیٹھے تھے کہ کسی نے باہر سے آواز دے کر آپ کو بلایا۔ حضرت شمس تبریزؒ نے مولانا رومؒ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"مجھے قتل کرنے کے لیے بلاتے ہیں۔"

ابھی مولانا جلال الدین رومیؒ صورت حال کو سمجھنے بھی نہ پائے تھے کہ حضرت شمس تبریزؒ اٹھ کر باہر چلے گئے۔ سات افراد آپ کے انتظار میں کھڑے تھے۔ جیسے ہی حضرت شمس تبریزؒ باہر تشریف لائے ان لوگوں نے آپ پر حملہ کر دیا۔ قتل ہوتے وقت حضرت شمس تبریزؒ نے اس قدر زور سے نعرہ مارا کہ ساتوں آدمی بے ہوش ہو گئے۔ پیر و مرشد کی چیخ سن کر جب مولانا رومؒ خلوت کدے سے باہر آئے تو حضرت شمس تبریزؒ کی لاش موجود نہیں تھی، صرف خون کے چند قطرے فرش پر نظر آئے۔ حضرت شمس تبریزؒ کے قاتلوں میں مولانا رومؒ کا بیٹا علاء الدین محمد بھی تھا۔ اس واقعہ کے بعد مولانا رومؒ نے زندگی بھر بیٹے کا منہ نہیں دیکھا، پھر کچھ دن بعد علاء الدین محمد ایک عجیب و غریب بیماری میں مبتلا ہو گیا۔ بیماری کے دوران اس نے عزیزوں کے ذریعے مولانا رومؒ سے معافی طلب کی مگر مولانا نے اسے معاف نہیں کیا، پھر کچھ دن بعد علاء الدین محمد شدید اذیت و کرب کے عالم میں مر گیا۔ مولانا رومؒ نے اس کے جنازے تک میں شرکت نہ کی۔ حضرت شمس تبریزؒ کے قتل کا یہ واقعہ 645ھ میں پیش آیا۔

اس سلسلے میں یہ روایت بھی مشہور ہے کہ حضرت شمس تبریزؒ کو قتل کر کے آپ کی لاش کے ٹکڑے ایک کنویں میں ڈال دیئے گئے تھے۔ کچھ دن بعد مولانا رومؒ کے دوسرے فرزند سلطان ولد کو خواب میں بشارت ہوئی، حضرت شمس تبریزؒ فرما رہے تھے۔ "میرے جسم کے ٹکڑوں کو کنویں سے نکال کر مدرسے کے بانی امیر بدرالدین کے پہلو میں دفن کر دو۔" چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

بعض مورخین کہتے ہیں کہ آپ قتل نہیں ہوئے بلکہ غائب ہو گئے اور پھر آپ کا کوئی سراغ نہیں ملا۔

پھر وہ کون سے شمس تبریزؒ ہیں جو ملتان میں مدفون ہیں۔ بیشتر مورخین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ یہ وہی شمس تبریزؒ ہیں جو مولانا جلال الدین رومیؒ کے پیر و مرشد تھے۔ پھر قونیہ میں کون قتل ہوا؟ بہر حال ایسے بہت سے سوالات ہیں جن کا جواب دینا آسان نہیں۔ ہم نے قارئین کی معلومات کے لیے تمام روایتیں جمع کر دی ہیں۔

روایتوں کے ہزار اختلافات کے باوجود حضرت شمس تبریزؒ، مولانا رومؒ سے ایک بار بچھڑے تو پھر دوبارہ نہیں ملے۔ اگرچہ دونوں بزرگوں کی یہ ملاقاتیں زیادہ عرصے تک قائم نہ رہ سکیں لیکن جو کچھ ہونا تھا وہ چند مہینوں میں ظہور پذیر ہو گیا۔ حضرت شمس تبریزؒ کی ایک نگاہ کا یہ اثر تھا کہ مولانا رومؒ جیسے نادر روزگار عالم آخری سانس تک اس مرد قلندر کی شخصیت کے طلسم سے آزاد نہ ہو سکے۔

مگر یہ ان کا خیال خام تھا۔ مولانا رومؒ کی بے قراریاں کچھ اور بڑھ گئیں۔ راتیں پہلے بھی بے آرام گزرتی تھیں، اب مکمل طور پر بے خواب ہو گئیں۔ پہلے مولانا کے دل میں سوز و گداز پنہاں تھا اب آنکھوں سے بھی اس کا اظہار ہونے لگا تھا۔ شمس تبریزؒ کو یاد کر کے اس قدر گریہ و زاری کرتے کہ لوگوں کو آپ کی حالت پر ترس آنے لگتا۔ اسی زمانے میں مولانا رومؒ نے اس قدر دردناک اشعار کہے کہ انہیں سن کر اہل دل کی آنکھیں بھیگ جاتی تھیں۔

اس سلسلے میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت شمس تبریزؒ رات کے اندھیرے میں قونیہ سے نکل کر دمشق تشریف لے گئے۔ مولانا رومؒ کو اپنے مرشد کے فراق سے ایسا صدمہ پہنچا کہ سب لوگوں سے قطع تعلق کر کے گوشہ نشین ہو گئے۔ یہاں تک کہ مریدان خاص کو بھی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت نہیں تھی۔ پھر ایک مدت کے بعد حضرت شمس تبریزؒ نے دمشق سے مولانا کو خط لکھا۔ اس خط نے آتش عشق کو بھڑکا دیا۔ مولانا رومؒ نے اس زمانے میں نہایت رقت آمیز اور پُر اثر اشعار کہے۔ جن لوگوں نے حضرت شمس تبریزؒ کی شخصیت کو ہدف ملامت بنایا تھا، انہیں سخت ندامت ہوئی۔ سب لوگ مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور معافی کی درخواست کی۔

حضرت شمس تبریزؒ سے بچھڑنے کے بعد مولانا رومؒ نے ایسی شاعری کی جو عشق و سرمستی اور سوز و گداز سے لبریز تھی۔ یہ شمس تبریزؒ کی نگاہ دلنوازی کا فیض تھا کہ مولانا نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "مثنوی مولانا روم" پیش کر کے عالم انسانیت پر احسان عظیم کیا ہے۔ یہ شاعری کی ایسی عظیم جلیل کتاب ہے کہ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی عالم ادب میں اس کا کوئی حریف نظر نہیں آتا...... اور جہاں تک مسلمانوں کی عقیدت کا تعلق ہے تو آج بھی مولانا کی اس تصنیف کو پڑھنے سے پہلے بوسہ دیا جاتا ہے اور نہایت عظمت و احترام سے سروں پر رکھا جاتا ہے۔ دنیا کے تمام اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ اگر حضرت شمس تبریزؒ مولانا روم سے ملاقات نہ کرتے تو شاید یہ عجوبۂ روزگار کتاب بھی دائرۂ تحریر میں نہ آتی۔ خود مولانا رومؒ نے بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے:

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلام شمس تبریزی نہ شد

(مولانا روم اس وقت تک مولوی نہ ہو سکے جب تک شمس تبریزؒ کی غلامی اختیار نہ کر لی)

اس شعر سے اہل نظر اندازہ کر سکتے ہیں کہ حضرت شمس تبریزؒ کیا تھے اور کم نظروں کے حسد نے کیسے برگزیدہ شخص کو مولانا رومؒ سے بچھڑ جانے پر مجبور کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

حضرت شمس تبریزؒ کی چند روزہ صحبتوں نے مولانا رومؒ کو قلندر بنا ڈالا تھا۔ ان ملاقاتوں سے پہلے مولانا کا یہ حال تھا کہ شاہان وقت کے دربار سے بھی تعلق رکھتے تھے، قیمتی لباس پہنتے تھے اور جب گھر سے نکلتے تھے تو اس شان سے کہ سیکڑوں افراد پیچھے پیچھے ہوتے اور آپ نہایت جاہ و جلال کے ساتھ آگے آگے چلتے۔ اگر کوئی اجنبی یہ منظر دیکھ لیتا تو یہی سمجھتا کہ کوئی حاکم اپنے تمام تر جلال و جبروت کے ساتھ گزر رہا ہے...... مگر جس دن سے حضرت شمس تبریزؒ کی غلامی اختیار کی تو آپ کی دنیا ہی بدل گئی۔

ریاضت اور مجاہدہ اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ کسی مرید یا خادم نے مولانا رومؒ کو شب خوابی کے لباس میں نہیں دیکھا۔ یہاں تک کہ تکیہ اور بستر بھی نہیں ہوتا۔ اگر نیند غالب آ جاتی تو بیٹھے بیٹھے سو جاتے۔ اکثر روزہ رکھتے تھے۔ آج کوئی شخص مشکل سے اس بات پر یقین کرے گا کہ مولانا رومؒ پانی سے افطار کر لیا کرتے تھے اور مسلسل دس دس، بیس بیس دن تک کچھ نہیں کھاتے تھے۔ اذان ہوتی تو فوراً قبلے کی طرف مڑ جاتے اور چہرۂ مبارک کا رنگ بدل جاتا۔

نماز میں اتنا استغراق ہوتے کہ گرد و پیش کی خبر نہ رہتی۔ خادموں نے بارہا اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھا کہ عشاء کے بعد نماز کی نیت باندھی تو دو رکعتوں میں صبح ہو گئی۔ ایک بار جاڑوں کا موسم تھا۔ مولانا رومؒ نماز کے دوران رونے لگے اور یہاں تک روئے کہ داڑھی اور سینہ آنسوؤں سے تر ہو گیا۔ خادم سپہ سالار کا بیان ہے کہ سردی کی شدت کے باعث آنسو رخساروں پر جمنے لگے تھے مگر مولانا کی محویت میں کوئی فرق نہیں آیا۔

آپ کا مزاج انتہائی قناعت پسندانہ تھا۔ سلاطین و امراء جس قدر تحائف بھیجتے، مولانا رومؒ اپنے مریدان خاص صلاح الدین زرکوبؒ یا حسام الدین چلپیؒ کے پاس یہ ہدایت دے کر بھیج دیتے کہ انہیں فوری طور پر ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ جب گھر میں بہت زیادہ تنگی ہوتی اور مولانا کے صاحبزادے سلطان ولد اصرار کرتے تو حسب ضرورت تھوڑی بہت رقم رکھ لیتے۔ جس دن گھر میں کھانے کا سامان نہ ہوتا اس روز مولانا رومؒ بہت خوش ہوتے اور بڑے والہانہ انداز میں فرماتے۔

"آج ہمارے گھر سے درویشی کی بو آتی ہے۔"

مولانا رومؒ کی سخاوت و فیاضی کا یہ عالم تھا کہ جب کوئی مانگنے والا سوال کرتا اور مولانا کے پاس دینے کے لیے کچھ نہ ہوتا تو اپنی عبا یا پیرہن اُتار کر دے دیتے۔

☆......☆......☆

مولانا جلال الدین رومیؒ کی رقیق القلبی اور شدت احساس کا یہ عالم تھا کہ کسی شخص کی ذرا سی تکلیف بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اس کے برعکس اپنی ذات پر آفات و مصائب کے پہاڑ بھی ٹوٹ پڑتے تو حرف شکایت زبان تک نہ لاتے۔ ایک بار شدید سردی پڑ رہی تھی، مولانا رومؒ کسی کام سے اپنے خلیفہ حسام الدین چلپیؒ کے مکان پر تشریف لے گئے۔ رات بہت زیادہ گزر چکی تھی۔ مولانا جب وہاں پہنچے تو حسام الدینؒ کے گھر کے تمام دروازے بند ہو چکے تھے۔ اگر مولانا چاہتے تو نصف شب کے بعد بھی اس مکان پر دستک دے کر اہل خانہ کو بیدار کر سکتے تھے اور آپ کا یہ عمل حسام الدین چلپیؒ کے لیے باعث شرف ہوتا...... لیکن مولانا رومؒ نے دروازہ کھٹکھٹایا اور نہ کسی کو آواز دی۔ رات بھر کھلے آسمان کے نیچے کھڑے رہے اور برف گر گر کر سر پر جمتی رہی۔ صبح جب حسام الدین چلپیؒ کے ایک خادم نے دروازہ کھولا اور مولانا کو اس حالت میں کھڑے دیکھا تو اس کے ہوش اُڑ گئے۔ وہ بدحواسی کے عالم میں مکان کے اندر گیا اور حسام الدینؒ کو خبر دی۔ مولانا رومؒ کے خلیفہ دیوانہ وار ننگے پاؤں بھاگتے ہوئے آئے اور پیر و مرشد کے قدموں پر سر رکھ کر رونے لگے۔ مولانا نے انہیں اٹھا کر گلے سے لگایا اور بہت دیر تک تسلی دیتے رہے۔ جب حسام الدینؒ کے آنسو رک گئے تو فرمایا۔

"میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ تمہاری نیند میں خلل پڑے اور میری وجہ سے دوسرے مکینوں کو زحمت ہو۔"

یہ واقعہ اس قدر اثر انگیز تھا کہ حسام الدین چلپیؒ آخری سانس تک اس رات کو فراموش نہ کر سکے۔ اکثر اپنے مریدوں کو درس دیتے ہوئے فرمایا کرتے تھے۔ "پیر و مرشد کا یہ عمل اس لئے تھا کہ ہم درویشی کا مفہوم سمجھ سکیں اور اپنی آنکھوں سے خدمت خلق کی زندہ تصویر دیکھ سکیں۔"

☆......☆......☆

شہر قونیہ میں گرم پانی کا ایک چشمہ تھا۔ مولانا رومؒ کبھی کبھی وہاں غسل کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔ ایک بار مولانا نے اس چشمے پر جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ کچھ مریدوں اور خادموں نے ایک دن پہلے وہاں جا کر آپ کے غسل کے لیے مخصوص جگہ کا انتظام کر دیا۔ دوسرے روز جب مولانا رومؒ وہاں تشریف لے گئے تو آپ کی آمد سے چند لمحے قبل کچھ جذامی (کوڑھی) اسی مقام پر نہانے لگے۔ خادموں نے خوفناک مرض میں مبتلا انسانوں کو ڈانٹ کر اس جگہ سے ہٹانا چاہا تو مولانا رومؒ نے سختی کے ساتھ منع کر دیا۔ جب وہ جذامی نہا کر چلے گئے تو آپ نے اسی جگہ کا پانی لے کر غسل کیا اور پھر اپنے خادم سے فرمایا۔

"احتیاط اچھی چیز ہے مگر ایسے بیماروں سے نفرت نہیں کرنی چاہیے۔ یہ لوگ بھی کل تک تمہاری طرح خوبصورت جسموں کے مالک تھے۔"

☆......☆......☆

ایک بار محفل سماع آراستہ تھی۔ مولانا رومؒ نہایت سکون سے عارفانہ کلام سن رہے تھے مگر دوسرے لوگوں کا یہ حال تھا کہ کوئی فرش پر تڑپ رہا تھا اور کوئی اپنا گریبان چاک کر رہا تھا۔ اتفاق سے ایک شخص نے سماع کا کچھ زیادہ ہی اثر قبول کر لیا اور وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا۔ بے خودی حد سے بڑھی تو وہ کسی بسمل کی طرح لوٹنے لگا۔ تڑپتے تڑپتے اس پر ایک شدید کیفیت طاری ہوتی کہ وہ مولانا سے آ کر ٹکرا جاتا اور لوگ اسے پکڑ کر دور کر دیتے۔ کچھ دیر تک تو حاضرین نے اس پر کوئی دھیان نہیں دیا لیکن جب اس شخص سے کئی مرتبہ یہی حرکت سرزد ہوئی تو مولانا کے خادموں نے اسے پکڑا اور محفل میں دور لے جا کر بٹھا دیا۔ مولانا رومؒ کو یہ بات بہت ناگوار گزری۔ آپ نے اپنے خدمت گاروں سے تلخ لہجے میں فرمایا۔

"شراب اس نے پی ہے اور مستی تم کر رہے ہو؟"

☆......☆......☆

ایک بار مولانا رومؒ کی شریک حیات نے اپنی ملازمہ کو سخت سزا دی۔ اتفاقاً مولانا بھی اسی وقت تشریف لے آئے۔ بیوی کی یہ حرکت دیکھ کر بہت ناراض ہوئے اور غم زدہ لہجے میں فرمانے لگے۔ "تم نے خدا کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کیا۔ یہ اسی کی ذات پاک ہے جو غلاموں کو آقا اور آقاؤں کو غلام بنا دیتی ہے۔ ایک لمحے کے لیے اس وقت کا تصور کرو جب تم کنیز ہوتیں اور یہ عورت مالکہ کی حیثیت رکھتی، پھر تمہارا کیا حال ہوتا؟" مولانا کی یہ اثر انگیز گفتگو سن کر شریک حیات نے اس ملازمہ کو آزاد کر دیا اور پھر جب تک زندہ رہیں، خادماؤں کو اپنے جیسا کھلاتیں اور پہناتیں، یہاں تک کہ ہر معاملے میں محبت سے پیش آتیں۔

مولانا رومؒ کا یہ سلوک انسانوں ہی کے لیے مخصوص نہیں تھا۔ آپ تو اس بارش کی طرح تھے جو سبزہ و گل کے ساتھ پتھر کی چٹانوں پر بھی برستی ہے۔ ایک بار امیر شہر معین الدین پروانہ کے یہاں محفل سماع جاری تھی کسی معزز خاتون نے شرکائے مجلس کی تواضع کے لیے مٹھائی کے دو بڑے طباق بھیجے۔ بیشتر حاضرین کلام معرفت میں کھوئے ہوئے تھے۔ اتفاق سے ایک کتا محفل میں گھس آیا اور اس نے آتے ہی طباق میں منہ ڈال دیا۔ اہل محفل میں سے کسی کی نظر پڑی تو اس نے بلند آواز میں کتے کو ڈانٹ کر بھگانا چاہا۔ مولانا رومؒ جو بہت دیر سے آنکھیں بند کیے سماع کی کیفیات میں گم تھے، چیخ سن کر چونک پڑے اور جب یہ منظر دیکھا تو اس شخص کو ہاتھ کے اشارے سے روک دیا جو کتے کو بھگانے کی کوشش کر رہا تھا۔ کتے نے گھبرا کر شیرینی کھانی شروع کر دی اور پھر کچھ مٹھائی کے دانے منہ میں دبا کر محفل سے چلا گیا۔ کتے کے جانے کے بعد مولانا رومؒ نے فرمایا۔ "اس کی بھوک تم لوگوں کے مقابلے میں تیز تھی، اس لئے مٹھائی پر بھی اسی کا حق زیادہ تھا۔"

ایک بار مولانا اپنے مریدوں کے ہمراہ ایک تنگ گلی سے گزر رہے تھے۔ اتفاق سے وہاں ایک کتا اس طرح سو رہا تھا کہ راستہ بند ہو گیا تھا۔ مولانا چلتے چلتے رک گئے۔ اچانک ایک شخص جو مولانا رومؒ کو جانتا تھا، گلی کی دوسری جانب سے آ رہا تھا۔ اس نے مولانا کو کھڑا دیکھ کر کتے کے پتھر مارا۔ وہ چیختا ہوا بھاگ گیا...... راستہ تو صاف ہو گیا لیکن مولانا کے چہرے پر دلی تکلیف کے آثار صاف نظر آ رہے تھے۔ جب وہ شخص قریب آیا تو آپ نے اس سے فرمایا۔ "اے بندۂ خدا! تو نے ایک جانور کی دل آزاری کر کے کیا پایا؟ میں کچھ دیر اس کے جاگنے کا انتظار کر لیتا۔"

مولانا رومؒ کے مسلک میں دل آزاری گناہ عظیم تھی۔ اگر کوئی چیونٹی بھی آپ کے پیروں کے نیچے آ کر کچل جاتی تو مولانا کو بہت دکھ ہوتا۔ اکثر اوقات لوگوں کا دل رکھنے کے لیے بڑے سے بڑا نقصان برداشت کر لیتے۔ ایک مرتبہ مولانا رومؒ بازار سے گزر رہے تھے۔ لوگوں نے آپ کو آتا دیکھا تو اپنی اپنی دکانوں پر احتراماً کھڑے ہو گئے۔ جب کچھ لڑکوں کی آپ پر نظر پڑی تو وہ بھاگتے ہوئے آئے اور مولانا کے ہاتھوں کو بوسہ دینے لگے۔ مولانا بچوں کو خوش کرنے کے لیے جواباً ان کے ہاتھ چوم لیتے۔ ایک لڑکا کسی کام میں مشغول تھا، اس نے چلا کر کہا۔ "مولانا ابھی جایئے گا نہیں، میں ذرا کام سے فارغ ہو جاؤں۔" مولانا نے اس کی آواز سنی اور مسکرانے لگے، پھر آپ بہت دیر تک اس لڑکے کے انتظار میں کھڑے رہے، جب وہ اپنے کام سے فارغ ہو کر آیا تو اس نے مولانا کے ہاتھوں کو بوسہ دیا، تب آپ تشریف لے گئے۔

اسی طرح ایک دن بھرے بازار میں دو آدمی لڑ رہے تھے اور ایک دوسرے کو فحش گالیاں دے رہے تھے، ان میں سے ایک کہہ رہا تھا۔ "او شیطان! اگر تو ایک کہے گا تو دس سنے گا۔"

مولانا رومؒ اس طرف سے گزر رہے تھے۔ آپ اس شخص کے قریب گئے اور فرمایا۔ "بھائی تمہیں جو کچھ کہنا ہے مجھے کہہ ڈالو، اگر تم ہزار کہو گے تو جواب میں ایک بھی نہ سنو گے۔" مولانا کے حسن کلام نے دونوں کو شرمندہ کر دیا، یہاں تک کہ وہ باہمی رنجش کو ختم کر کے آپس میں دوست ہو گئے۔

یہ تھے حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ جو نصف صدی تک بے شمار بندگان خدا کا روحانی علاج کرتے رہے مگر یہ قدرت کا ایک عجیب نظام ہے کہ وقت معلوم پر بیماروں کی طرح مسیحا کو بھی دنیا سے رخصت ہونا پڑتا ہے...... اور اب وہی سنگین وقت نزدیک آ پہنچا تھا۔ یہ 670ھ کا واقعہ ہے۔ ایک دن قونیہ میں زبردست زلزلہ آیا۔ لوگ خوف و دہشت سے چیخنے لگے، پھر مسلسل چار دن تک زلزلے کے شدید جھٹکے محسوس کیے جاتے رہے۔ شہر میں ایک قیامت سی برپا تھی، قونیہ کے کسی باشندے کو بھی اپنی زندگی کا بھروسا نہیں تھا کہ کب زمین میں شگاف پڑے اور وہ اپنے ساز و سامان کے ساتھ ملک عدم روانہ ہو جائے۔ اس مسلسل اذیت ناک صورت حال سے گھبرا کر اہل شہر مولانا رومؒ کی خانقاہ میں حاضر ہوئے اور آپ سے دعا کی درخواست کرنے لگے۔

مولانا رومؒ نے حسب عادت دلنواز تبسم کے ساتھ فرمایا۔ "زمین بھوکی ہے، لقمہ تر چاہتی ہے۔ ان شاء اللہ اسے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل ہوگی۔" پھر لوگوں کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "کوئی شخص ہراساں نہ ہو۔ جس پر گزرنا ہے گزر جائے گی۔" انسانی ہجوم مطمئن ہو کر اپنے گھروں کو چلا گیا۔ مولانا کے اس ارشاد کے بعد ہی زلزلہ تھم گیا تھا۔ شہر قونیہ کی گمشدہ رونق لوٹ آئی تھی...... مگر دوسرے دن ایک خبر نے لوگوں سے یہ ساری خوشیاں چھین لیں۔

مولانا رومؒ اچانک شدید بیماری کا شکار ہو گئے تھے۔ پورا شہر عیادت کے لیے اُمڈ آیا۔ بہترین طبیبوں نے علاج کیا لیکن مرض لحظہ بہ لحظہ بڑھتا گیا۔ مریدوں اور خادموں نے رو رو کر کہا۔ "آپ کی دعاؤں سے بے شمار مریضوں نے صحت پائی ہے، آج آپ ہماری خاطر اپنی صحت کے لیے دعا فرما دیجئے۔" مولانا نے عقیدت مندوں کی گفتگو سن کر دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ حاضرین سمجھ گئے کہ وقتِ آخر قریب آ پہنچا ہے...... اور پھر ایسا ہی ہوا۔ دوسرے دن غروب آفتاب سے ذرا پہلے مولانا رومؒ اپنے خدا کی وحدانیت اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر گواہی دیتے ہوئے رخصت ہو گئے۔

قونیہ میں گھر گھر صف ماتم بچھ گئی۔ ہزاروں انسانوں نے شدت غم میں اپنے گریبان پھاڑ ڈالے، جنازہ اٹھا تو انسانوں کا ایک سیل رواں تھا جو اپنے روحانی پیشوا کو آہوں اور اشکوں کی آخری نذر پیش کرتا ہوا قبرستان کی طرف جا رہا تھا۔ بادشاہ وقت بھی جنازے میں شریک تھا۔ میت کے آگے سیکڑوں عیسائی اور یہودی بھی انجیل اور توریت مقدس کی آیات پڑھتے ہوئے چل رہے تھے۔ ان غیر مسلموں کی آنکھیں اشکبار تھیں اور ہونٹوں پر جانگداز نوحے تھے۔

بادشاہ نے ان عیسائیوں اور یہودیوں کی یہ حالت زار دیکھ کر پوچھا۔ "تمہیں مولانا سے کیا نسبت ہے۔"

جواب میں عیسائی اور یہودی علماء نے کہا۔ "یہ تمہاری طرح ہمارا بھی محبوب ہے۔"

مولانا رومؒ کی عظمت کی یہ ایسی روشن دلیل تھی جسے جھٹلایا نہیں جا سکتا تھا۔ انہیں زیر زمین سوئے ہوئے صدیاں گزر گئیں۔ مگر آج بھی یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ زندہ ہیں......

جب ریڈیو پاکستان کے مستقل پروگرام میں کوئی خوش الحان قاری مثنوی مولانا رومؒ کے اشعار پڑھتا ہے تو اہل دل یہ سمجھتے ہیں کہ مولانا ہمارے درمیان موجود ہیں۔

شاعر مشرق علامہ اقبالؒ ذہنی اور روحانی اعتبار سے آخری سانس تک مولانا کے زیر اثر رہے۔ یہاں تک کہ علامہ نے اس مرد جلیل کو "پیر روم" کہہ کر پکارا اور ہمیشہ اس روحانی شاگردی پر نازاں تھے:

صحبت پیر روم سے مجھ پر ہوا یہ راز فاش
لاکھ حکیم سر بہ جیب ایک کلیم سر بکف

(ختم شد)